بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ۞ مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب

جناب سمیع احمد صاحب ۞ جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم | مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری

جلد:3	نومبر 2017ء	صفر المظفر ۱۴۳۹ھ	شمارہ: 37

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919

مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120

مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786

ماہنامہ ندائے قاسم
Monthly **NIDA-E-QASIM**
Nafees colony, Baripath,
Mahendru, Patna-6

فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زرتعاون: 200/روپیہ

OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM,
PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6,
RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.: 9431011919

فہرست مضامین

اداریہ	میری ماں!	خالدانور پورنوی المظاہری	03
خطاب	اسلام میں مساوات کا درس	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب	07
درسِ حدیث	توبہ واستغفار سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے	جناب مولانا محمد ناظم صاحب	9
مقالات ومضامین	حالاتِ حاضرہ اور دینی مدارس	حضرت مولانا محمد اسرارالحق قاسمی	11
	صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلقات	جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	17
	سیرتِ نبوی ﷺ میں سادگی کے نقوش	مولانا محمد مجیب الرحمٰن صاحب	22
	نماز کی قضاء کا حکم	مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی	25
	اسلام کا اخلاقی انقلاب	مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی	31
	نوجوانوں کو منشیات کے دلدل میں پھنسنے سے بچائیں	مولانا نثار احمد حصیر قاسمی	38
	قضائے حاجت کا اسلامی طریقہ	مولانا محمد تبریز عالم قاسمی	43
	سلطان ٹیپوؒ اور مذہبی رواداریاں	معاذ کولہاپوری	51
	رزق کی قدردانی	مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی	55
خواتین	رواجِ بے حجابی خوشنما کانٹوں کی مالا ہے	محمد نایاب حسن قاسمی	59
شب وروز	اردو اکادمی پٹنہ میں جمعیۃ علماء بہار کی مشاورتی نشست	ادارہ	64

e-mail:-.nedaequasim@gmail.com
مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!
کمپیوٹر کتابت: مہجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448
e-mail:-mahjoodom@gmail.com

اداریہ

میری ماں!

خالدانور پورنوی المظاہری

دوڑا، دوڑ آئی سی یو کی طرف آیا، نرس نے اندر جانے کو کہا: ڈاکٹر صاحب نے دیکھتے ہی کہا: سوری! گاڑی کا انتظام کر لیجئے، سراب کیسی ہے، امی جان؟..اب وہ اس دنیا میں نہیں رہی، ایسا لگا۔ جیسے پاوں تلے زمین کھسک گئی، ساری تدبیریں پھیل ہو چکی تھیں، جس لفظ کو ہم سننا نہیں چاہ رہے تھے، اور جس کے سننے کی ہمارے اندر طاقت نہیں تھی، مگر ہم سننے پر مجبور تھے کہ اب میری ماں اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت گئی، اناللہ وانا الیہ راجعون

صبح کے تقریباً نو بج رہے تھے، گیارہواں مہینہ تھا اور گیارہویں تاریخ بھی، اور ہفتہ یعنی سنیچر کا دن تھا، مہاویر کینسر ہاسپٹل کے آئی سی یو میں امی جان ایڈمیٹ تھیں، معمول کے مطابق صبح کے سات بجے آئی سی یو کا دروازہ کھلا، ہمارے بھائیوں نے امی جان کو برش کروایا اور منہ ہاتھ دھلوایا، تھوڑی دیر بعد ہم نے دوائی منہ میں دی اور ناشتہ کے طور پر دودھ پیش کیا، چہرہ، شکل وصورت اور ان کی کیفیت سے یقیناً وہ بہت زیادہ پریشان لگ رہی تھی، مگر ہم نے انہیں تسلی دی، اور آئی سی یو سے باہر آ کر اپنے دل کو بھی سمجھاتا رہا، ان شاءاللہ امی جان اچھی ہو جائے گی، کچھ دوستوں سے ہم نے یہی بات کہی بھی، اور دعاء کی گذارش بھی کی، اس لئے کہ خون وغیرہ کی رپورٹ بہت اچھی آ گئی تھی، مگر نیم بیہوشی کی جو کیفیت تھی، اسے دیکھ کر کسی خیر کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی، اسی کشمکش میں اور مختلف طرح کی الجھنوں میں ہم برآمدہ میں ٹہل رہے تھے، کسی نے اطلاع دی، ڈاکٹر صاحب نے بلایا ہے، دوڑا، دوڑ آیا، تو یہاں ماجرا ہی کچھ اور تھا، دنیا کے جھمیلوں سے تھک ہار کر امی جان ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گئی تھی، جسے جگانا اب ہمارے لئے ممکن نہیں تھا۔

موت کی آغوش میں جب تھک کے سو جاتی ہے ماں
تب جا کر کہیں تھوڑا سا سکوں پاتی ہے ماں

ٹھیک ایک ہفتہ قبل، ہفتہ ہی کے دن پورنیہ سے ریفر کے بعد ہم لوگ پٹنہ پہونچے تھے، اور مکمل ایک ہفتہ موت وحیات کی جنگ لڑتی رہی، اور ہفتہ ہی کے دن اس دنیا سے رحلت فرما گئیں، اس بیچ ہمارے دوستوں، خیر خواہوں، ہمدردوں، اور کرم فرماؤں کو اللہ جزائے خیر دے، انہوں نے نہ صرف دعائے صحت کا اہتمام کیا، بلکہ ہر طرح کا تعاون بھی کیا، مہاویر کینسر اسپتال کے ڈائریکٹر سمیت، ڈاکٹروں کی پوری ٹیم نے اپنی پوری طاقت جھونک دی، وہ لوگ بولتے بھی تھے: یہ ہمارا VIP PATIENT ہے، مگر وقت موعود آ پہونچا تھا، اور ساری کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افسانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

''ماں'' ماں ہے، بے پناہ محبت، پیار، قربانی، جانفشانی، محنت، جدوجہد، صبر، درگذر، عزت اور عظمت کا نام ہے، دنیا میں ہر چیز کا متبادل ہے، لیکن ماں ایک ایسا لفظ ہے جس کا دنیا میں کوئی متبادل نہیں، ماں ایک ایسی ہستی ہے کائنات میں جس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی ہے، دنیا میں کچھ نہیں ہے اگر ماں ہے تو سب کچھ ہے اور سارا جہاں ہے؛ مگر ماں نہیں ہے، تو کچھ بھی نہیں ہے، مادیت کے اس دور میں بھی اگر سراپا خلوص اور جذبۂ بے لوث دیکھنا ہو تو صرف ماں کی ممتا میں ملے گی، ایک قلم کیا حق ادا کرسکتا ہے ماں کا؟ ان کی عظمت، منزلت، مرتبت کے لئے زندگی کے تمام دن ہی ناکافی ہیں۔

اگر بچہ ہنستا ہے تو ماں ہنستی ہے، وہ روتا ہے تو ماں اس سے زیادہ تکلیف سے کراہ اٹھتی ہے، اپنی خواہشات کیا ہوتی ہے؟ ماں کو پتہ ہی نہیں، مگر بچوں کی خواہشات کیلئے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیتی ہیں، بچوں کی مستقبل کی فکر لئے محنت ومزدوری تک کرنا کوئی عیب نہیں سمجھتی ہے، ہم نے بھی دیکھا ہے اپنی والدہ مرحومہ کو، ان کی محبتوں کو، اور ہمارے بہتر مستقبل کے لئے ان کی فکرمندی کو، بیماری کے دنوں میں جبکہ وہ بہت زیادہ پریشان حال تھیں، ان کی تکلیف، درد اور بے چینی کو دیکھ کر ہماری آنکھیں بھر آتی تھیں، مگر ان کی فکر اس بات پر تھی کہ میرے بچوں کا بہت زیادہ پیسہ برباد ہوجائے گا، وہ کہتی تھیں میں جیسی بھی ہوں؛ مگر بچوں کا گھر تباہ ہوجائے گا، اوہ! کیا ایسی ہی ماں ہوتی ہے، میں آج انہیں کیسے سمجھاؤں کہ آپ نہیں ہیں تو کاغذ کے ان ٹکروں کی اہمیت ہی کیا ہے؟

پھولوں کی خوشبو، پہاڑوں کی برسات ماں ہی تو ہے
مہک رہی ہے جس سے میری کائنات ماں ہی تو ہے
سچی ہیں جس کی محبتیں، سچی ہیں جس کی چاہتیں
سچے ہیں جس کے پیار کے جذبات ماں ہی تو ہے

بیمار تو میری امی دو چار سالوں سے اکثر ہی رہتی تھیں، چونکہ وہ شوگر کا PATIENT تھیں، مگر کمزور ولاغر ہونے کے باوجود چلتی، پھرتی تھی، گھر کا مکمل نظام، وہی سنبھالتی تھی، ہر چھوٹے، بڑے کام، مہمان نوازی، اور رشتہ داری نبھانے سے لے کر شادی بیاہ تک سب کچھ وہی کرتی تھیں، ہماری پڑھائی لکھائی سے لے کر یہاں تک پہونچنے میں انہی کا اہم رول رہا، وہ خود تو پڑھی لکھی نہیں تھی، مگر ہماری پڑھائی اور تعلیم کیلئے وہ بہت زیادہ کوششیں

کرتیں، زندگی میں طرح طرح کے موڑ آئے، مگر حالات اور سخت تھپیڑوں کے رخ کو موڑتی رہی، ہم اپنی تعلیم مکمل کرلیں، اس کیلئے انہوں نے بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں، ہم جیسے بھی ہیں، اور جس طرح بھی ہیں، مگر وہ ہمیں دیکھ کر بیحد خوش ہوتیں، اور لوگوں سے وہ کہتی تھیں: ''ہم نے تو اللہ سے انہیں مانگ کرلیا ہے''۔

آج سے 6/7 سال قبل جب پختہ مکان کی طرف ہم لوگ منتقل ہونے لگے، امی جان! مٹی کے پرانے گھر کے برآمدہ میں بیٹھی ہوئی تھیں، دیوار امی جان پر گرگئی، اور وہ مٹی کے نیچے دب گئیں، بڑی مشکل سے انہیں باہر نکالا گیا، ان کی حالت یقیناً دگرگوں ہوگئی تھی، مگر اللہ کو کچھ اور منظور تھا، اللہ نے انہیں صحت دی، مگر پھر وہ شوگر کی patient ہوگئیں، تین سال قبل ان کی طبیعت پھر بہت زیادہ بگڑ گئی، شوگر بڑھ گیا، بالکل نیم بیہوشی کی کیفیت تھی، کمزوری حددرجہ بڑھ گئی، شاید وہ سوچی ہوگی کہ اب وہ دنیا میں نہیں رہے گی، مجھ سے کہنے لگی: تم بڑے ہو، تم سے سب ڈرتے ہیں، سب کا خیال رکھنا، مگر الحمدللہ، اللہ نے ان کو تندرستی دی، فرسٹ جولائی 2013 میں میری شادی کروائی، اور خوشی کی انتہا اس دن ہوگئی جب اسی تاریخ فرسٹ جولائی 2014 میں میرے گھر ایک بیٹی رحمت بن کر آئی، ان کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ سب سے چھوٹی بہن کی شادی ہوجائے، 25 مئی 2015 میں اللہ نے اس کی بھی تکمیل کرادی، اور اب آرام کا وقت تھا، وہ رہتی، بسے بسائے چمن کو دیکھ کر خوش ہوتی؛ مگر وہاں سے بلاوا آچکا تھا، جہاں سب کو جانا ہے۔

اس ایک ہفتہ میں اپنی ماں سے بہت کچھ سیکھا اور سمجھا، ان کی برکتوں، رحمتوں، اور دعاؤں کو دیکھا، جس کو لکھنے کی یہاں گنجائش نہیں، ہاں جب ایک دن وہ بہت زیادہ پریشان لگ رہی تھیں، اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں، میں نے امی جان سے عرض کیا، میں آپ کے بعد آپ کی پوری ذمہ داری نبھاؤنگا، وہ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئی، اس کے بعد حج کا تذکرہ آیا، میں نے کہا: میں آپ کی طرف سے ان شاءاللہ حج بھی کرونگا، تو کہنے لگی ہاں، تم ضرور کروگے اور میں تو ہمیشہ دعا کرتی ہوں اللہ تم کو جنت نصیب فرمائے، کیا اسی کو ماں کہتے ہیں، وہ خود جنت ہے، پھر بھی جنت اپنی اولاد کیلئے مانگ رہی ہے۔

دنیا میں محبت کے جتنے بھی رشتے ہیں، سب اپنی محبت کی قیمت مانگتے ہیں، مگر ماں کا رشتہ دنیا میں ایک واحد رشتہ ہے، جو اولاد سے محبت کے بدلہ میں کچھ نہیں مانگتی، وہ ایک دوست ہے جو کبھی بے وفا نہیں ہوتی، ایک ایسا وعدہ جو کبھی ٹوٹتا نہیں، ایک ایسا خواب جو ہمیشہ تعبیر بن کر ساتھ رہتا ہے، ایک ایسی محبت جو کبھی کم نہیں ہوتی، ایسی پرچھائیں جو ہر مصیبت میں بچانے کیلئے ساتھ رہتی ہیں، ایسی محافظ جو ہر ٹھوکر لگنے سے بچاتی ہے، ایسی دعاء

جو ہمیشہ اس کے لب پر رہتی ہے، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کو کسی عام عورت کیلئے نہیں؛ بلکہ ماؤں کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور! سب سے زیادہ حسن سلوک کس کے ساتھ کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ'' اس شخص نے دوبارہ عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ'' اس شخص نے پھر تیسری بار عرض کیا کس کے ساتھ؟ نبی کریم ﷺ نے پھر فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ'' اس شخص نے چوتھی بار عرض کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اپنے باپ کے ساتھ۔ یعنی تین درجہ ماں کے ساتھ اور ایک درجہ باپ کے ساتھ۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ حج کیلئے روانہ ہو رہے تھے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ جن کی والدہ بیمار تھیں، ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کریں، آپ ﷺ نے سختی سے منع فرما دیا اور کہا: ''جاؤ اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کرو، تمہیں اس کا ثواب حج کے برابر ملے گا۔''

ماں کی خدمت سے صرف ماں ہی نہیں؛ اللہ کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے، جنت منتظر ہے ایسے لوگوں کی جو اپنی ماں کی خدمت عبادت سمجھ کر کر رہے ہیں، وہ اولاد یقیناً خوش نصیب ہے جنہیں اللہ نے ماں کی دولت سے نوازا ہے، انہیں چاہئے کہ اس دولت کی حفاظت کریں، اور قدر بھی کریں، ورنہ ان سے پوچھئے جن کی مائیں اس دنیا میں نہیں ہیں:-

پیار کہتے ہیں کسے اور ممتا کیا چیز ہے
کوئی ان بچوں سے پوچھے جن کی مر جاتی ہے ماں

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، ناظمِ جامعہ جناب مولانا محمد ناظم صاحب، جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، قاری ایاز احمد، مفتی اطہر القاسمی، دیگر اساتذہ جامعہ مدنیہ، اور ماہنامہ ندائے قاسم پٹنہ کی پوری ٹیم، ایم پی حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے ناظم جناب مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی و دیگر احباب، رفقاء، اداروں، مدرسوں اور مکاتب کے ذمہ داران، جمعیۃ علماء بہار اور ضلعی شاخوں کے ذمہ داران، طوالت کی وجہ سے جن کا نام نہیں لے رہا ہوں، سبھوں کا بہت بہت شکریہ، جنہوں نے بے پناہ محبت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے والدہ مرحومہ کیلئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کا اہتمام کروایا، اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو جزائے خیر عطاء فرمائے، اور والدہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، عذابِ قبر سے حفاظت فرمائے، جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔ ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

اسلام میں مساوات کا درس

خطاب: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں وخاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا تا کہ ایک دوسرے کی پہچان کرسکو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔

اسلام ایک مکمل نظام زندگی اور جامع دستور حیات ہے، اللہ کی ذات جو رحمٰن ورحیم ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو دین اسلام دیکر دنیا میں بھیجا، اور اس کی تکمیل رحمۃ للعالمین، آقاء ومولیٰ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کرائی اورفرمایا: "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا" اس آیت کریمہ نے مساوات کا یہ عظیم اصول بیان فرمایا کہ کسی کی عزت وشرافت کا معیار اس کی قوم، اس کا قبیلہ یا وطن نہیں ہے؛ بلکہ تقویٰ ہے، سب لوگ ایک مرد وعورت یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے پیدا ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مختلف قبیلے خاندان یا قومیں اس لئے نہیں بنائیں کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتائیں، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بے شمار انسانوں میں باہمی پہچان کیلئے کچھ تقسیم قائم ہوجائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

یاایھاالناس ان ربکم واحدوان أباکم واحدٌ کلکم لأدم وأدم من ترابٍ ان اکرمکم عند اللہ أتقاکم ولیس لعربی علیٰ عجمیٍ فضلٌ الابالتقویٰ۔ (العقدالغرید:۲/۱۱۱)

اے لوگو! یقیناً تمہارا پروردگار ایک ہے، تمہارے باپ بھی ایک ہیں، تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ یقیناً تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پاکباز ہو، کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں، مگر تقویٰ کی بناء پر۔

اسلام کی نظر میں ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: "الخلق عیال اللہ فأحب الخلق الیٰ من أحسن الیٰ عیالہ (مشکوٰۃ شریف:۴۲۵) ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کے نزدیک سب مخلوق میں پسندیدہ وہ شخص ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مسلمانوں کے ساتھ، عام غیر مسلموں سے بھی انسانی بنیادوں پر بہتر اخلاق

اور برادرانہ سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے خود ایک یہودی کا جنازہ گذرتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخر وہ بھی تو انسان تھا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی مر گیا تو ان کے بیٹے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو درخواست کی، ایک تو یہ کہ آپ ﷺ اپنا قمیص عطاء فرمائیں؛ تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں، رسول اللہ ﷺ نے اپنا قمیص مبارک عطاء فرمادیا۔ دوسری درخواست یہ کی کہ آپ ﷺ اُس کی نماز جنازہ بھی پڑھادیں! آپ ﷺ نے قبول فرمالیا اور نماز جنازہ کیلئے کھڑے ہوگئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا: آپ ﷺ اِس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے منع فرمادیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دعاء مغفرت کروں یا نہ کروں۔ اور آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے، تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرسکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی:

ولا تُصَلِّ علىٰٓ احدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ	اور اے پیغمبر ان منافقین میں سے جو کوئی
اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ	مر جائے تو تم اس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا،
وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (التوبہ: ۸۴)	اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں

جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا اور اس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد پھر آپ ﷺ نے کبھی بھی منافق کی نماز نہیں پڑھائی۔

تمام انسانوں کو بھائی، بھائی بن کر رہنے کی تلقین کی گئی ہے، اور ایسی ہر بات سے روکا گیا ہے جن سے آپسی تعلقات خراب ہوں، اور رشتۂ اخوت کمزور پڑنے کا خطرہ پیدا ہو۔ ارشاد نبوی ہے۔ ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، آپس میں بغض وعداوت نہ رکھو، باہمی حسد نہ کرو، اور اللہ کے بندے بھائی، بھائی بن جاؤ! ہمارے پیغمبر اسلام ﷺ نے انسانی عزت واحترام کا اتنا خیال کیا کہ مسلم اور غیر مسلم میں کوئی تفریق نہیں فرمائی اور آپ ﷺ نے ایک اصول مقرر فرمادیا: ''**دمائهم كد مائنا**'' کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی جانوں کی اہمیت یکساں ہے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر ایک مشرک فوجی خندق عبور کرکے مسلمانوں کی طرف آگیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا، کفار مکہ نے لاش کی قیمت ادا کرکے لاش حاصل کرنی چاہی، لیکن آپ ﷺ نے قیمت نہیں لی، اور لاش ان کے حوالہ کردی۔

❍❖❍

درس حدیث

توبہ واستغفار سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِي اَرْضٍ دَوِيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَومَةً فَاسْتَيقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ فَطَلَبَهَا حَتّٰى اِذَااشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطْشُ اَوْمَاشَاءَ اللّٰهُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰى مَكَانِيَ الَّذِيْ كُنْتُ فِيهِ فَأَنَامُ حَتّٰى أَمُوْتَ فَوَضَعَ رَاسَهُ عَلٰى سَاعِدِهٖ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ عَلَيْهَازَادُهُ وَشَرَابُهُ فَاللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًابِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤمِنِ مِنْ هٰذَابِرَاحِلَتِهٖ وَزَادِهٖ. (روالبخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے راویت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اُس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جوسفر کے دوران کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اُتر گیا جو سامان حیات سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھر پور ہواوراس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہواُسی پراُس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ سر رکھ کے لیٹ جائے اوراسے نیندآ جائے پھراس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی غائب ہے، پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ میں اُسی جگہ جا کر پڑ جاؤں، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے، پھر وہ اپنے بازو پر سر رکھ کے مرنے کیلئے لیٹ جائے، پھراس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی پورے سامان کے ساتھ اونٹنی اس کے پاس موجود ہے،تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا خدا کی قسم مومن بندے کے توبہ کرنے سے خدااس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔

تشریح: ذرا تصور کیجئے اس بدو مسافر کا جو اکیلا اپنی اونٹنی پرسوار ہوکراور راستہ بھر کیلئے کھانے پینے کا سامان اُسی پرلاد کر دور دراز کے سفر پر کسی ایسے راستہ سے چلا جس میں کہیں دانہ پانی ملنے کی امید نہیں، پھر اثنائے سفر میں وہ کسی دن دوپہر میں کہیں سایہ دیکھ کر اُترا اور آرام کرنے کے ارادہ سے لیٹ گیا، اس تھکے

ماندے مسافر کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ غائب ہے، وہ بیچارہ حیران وسراسیمہ ہوکر اس کی تلاش میں دوڑا بھاگا، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کولب دم کر دیا، اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل و بیابان میں لکھی تھی ~~، اوراب بھوک پیاس میں ایڑیاں رگڑرگڑ کے یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے،~~ ~~اس لئے وہ اسی سایہ کی~~ جگہ میں مرنے کیلئے آگے پڑگیا اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے ساز وسامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے۔

ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گم شدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کے اس بدو کو جو مایوس ہوکر مرنے کیلئے پڑ گیا تھا کس قدر خوشی ہوگی۔ صادق مصدوق ﷺ نے اس حدیث پاک میں قسم کھا کے فرمایا کہ خدا کی قسم! بندہ جب جرم وگناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف آتا ہے تو اس رحیم وکریم رب کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس بدو کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بدّو مسافر کی فرط مسرت کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ اونٹنی کے اس طرح مل جانے سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے انتہا عنایت اور بندہ نوازی کے اعتراف کے طور پر وہ کہنا چاہتا تھا ''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ'' خدوندا! بس تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ۔ لیکن خوشی کی سرمستی میں اس کی زبان بہک گئی اور اس نے کہا: ''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّکَ'' میرے اللہ! بس تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی اس غلطی کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ''اَخْطَأَمِنْ شِدَّةِ الْفَرْحِ'' فرط مسرت اور بے حد خوشی کی وجہ سے اُس بیچارے بدّو کی زبان بہک گئی۔

(نوٹ) علماء وفقہاء نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے سمجھا ہے کہ اگر اس طرح کسی کی زبان بہک جائے اور اس سے کفر کا کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہوگا، فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔

بلاشبہ اس حدیث میں توبہ کرنے والے گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ کی جس خوشنودی کی بشارت سنائی گئی ہے وہ جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بھی فائق ہے۔ ❍❖❍

مقالات ومضامین

حالاتِ حاضرہ اور دینی مدارس!

حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمی، صدر آل انڈیا ملی فاؤنڈیشن، دہلی

دینی مدارس ہندوستان کے مسلمانوں کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں جن کا تحفظ بھی ضروری ہے اور فروغ بھی۔ گزشتہ چند صدیوں کے دوران ملکی سطح پر مسلمانوں کے سامنے جو مسائل آئے، ان کے تدارک میں مدارس نے بنیادی کردار ادا کیا۔ ایک وقت وہ تھا جب باشندگانِ ہند جن میں مسلمان بھی شامل تھے، انگریزوں کے غلام بن گئے تھے۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے ہندوستانیوں، بالخصوص مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی اور ان تمام شعبوں میں کام کیا جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جا سکتا تھا۔ دوسروں کی بنسبت انگریزوں کے نشانے پر مسلمان غالباً اس لیے تھے کہ اس وقت مسلمان بہتر حالت میں تھے۔ وہ گزشتہ کئی صدیوں سے حکومت کرتے چلے آرہے تھے۔ تعلیم بھی ان کے پاس تھی اور دین کی روشنی بھی۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کیلئے ان پر تابڑتوڑ حملے شروع کر دیئے۔ ایک طرف انہوں نے مسلمانوں کے دین پر حملے کیے، دوسری طرف مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرت کو نشانے پر لیا اور تیسری طرف مسلمانوں کو تعلیم سے کاٹنے کی کوشش کی۔ علمائے وقت نے انگریزوں کی چالوں کو سمجھا اور ان کے ارادوں کو بھی کہ وہ کس طرح مسلمانوں کو جانی، مالی اور مذہبی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ انگریزوں کی شاطرانہ چالوں سے نمٹنے کیلئے انہوں نے خاموشی کے ساتھ جا بجا دینی مدارس قائم کرنے شروع کر دیئے۔ تا کہ مسلمانوں کی نئی نسلیں تعلیم حاصل کرتی رہیں، اپنے دین سے بھی واقف رہیں اور اپنی تہذیب ومعاشرت کے ساتھ اپنی شناخت کو بھی زندہ رکھیں۔

ہندوستان کے دینی مدارس نے اس وقت کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقدامات کیے۔ سب سے پہلے انھوں نے دینی تعلیم کو نئی نسلوں تک منتقل کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ دوسری طرف انھوں نے حالات کے تقاضے کے مطابق ہندوستان کو آزاد کرانے کی مہم میں بھی حصہ لیا۔ کیونکہ انگریزوں سے ملک کو آزاد کرانا اس وقت کا بنیادی تقاضہ تھا۔ مدارس کے فارغ طلبا نے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تا کہ انگریزی حکومت کمزور پڑے اور آزادی کی راہ ہموار ہو جائے۔ آزادی کی جنگ جیتنے کیلئے یہ بھی ضروری تھا کہ ملک کی مختلف قومیں متحد ہوں۔ چنانچہ علماءِ حضرات نے نہ صرف اپنے درمیان اتحاد قائم کیا بلکہ دوسرے مذہب والوں سے

بھی اتحاد کی حمایت ووکالت کی اور عملی طور پر سب کے ساتھ رہ کر اور سب کو اپنے ساتھ ملا کر آزادی کی آواز کو تقویت پہنچائی۔ کون نہیں جانتا کہ اٹھارہ سوستاون کی جنگ کے دوران ہمارے علماء نے ملک کے دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کیا، لڑائی بھی لڑی، شہادت بھی حاصل کی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں ہمارے علما دوسرے مذاہب کے ساتھ تحریک آزادی میں پیش پیش رہے۔ مہاتما گاندھی کے ساتھ مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت شیخ الہندؒ جیسی مسلمانوں کی عظیم ہستیاں تھیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو جیسے ہندو لیڈروں کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنیؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ جیسے علماء تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جب ملک پر حالات آن کر پڑے تو مدارس سے جڑے افراد نے ملک کے تحفظ کیلئے کوششیں کیں اور اتحاد کا مظاہرہ کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دینی مدارس وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے رہے ہیں۔

آزادی کے ستر سال بعد ملک کے حالات کافی بدل گئے ہیں، ایسے امتدادِ زمانہ کے باعث کئی طرح کے تغیرات بھی واقع ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر اس زمانے میں ذرائع ابلاغ نے بڑی ترقی حاصل کی ہے۔ اس وقت دنیا پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کی مٹھی میں دکھائی دیتی ہے۔ تہذیبی ومعاشرتی سطح پر اس وقت دنیا بھر میں مغربی تہذیب کا بول بالا ہے، اس سے مسلم ممالک اور مسلم معاشرے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ جبکہ آج سے پچاس سال پہلے ایسے حالات نہ تھے۔ تعلیم کے میدان میں بھی کئی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ چند دہائیوں پہلے تک جن علوم کو لائق اعتنا نہ سمجھا جاتا تھا، آج وہ علوم شباب پر نظر آتے ہیں، ایسے ہی پہلے جن موضوعات اور علوم کو اہم خیال کیا جاتا تھا، آج انھیں غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح کل مسلمانوں کو مذہبی طور پر انگریز گھیرنے کی کوشش کرتے تھے، آج انگریز نہیں ہیں لیکن ملک کے بعض گروہ اور عناصر ایسے ہیں جو مسلمانوں کو مذہبی اعتبار سے ٹارچر کرنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ ایسے حالات میں ایک بار پھر مدارس اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب نئے حالات اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر مدارس کام کریں۔ سوڈیڑھ سو سال پہلے مدارس اس زمانے کے تقاضوں کے مطابق چل رہے تھے، لیکن تقاضوں کے بدل جانے کی وجہ سے نئے تقاضوں کو سامنے رکھ مدارس اور ارباب مدارس کو کام کرنا ہوگا۔

موجوہ حالات میں مدارس کو کیا کرنا چاہئے؟ اس سوال کے جواب کی جستجو کیلئے سردست اس وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ مسلمانوں اور مدرسوں کے سامنے کیا حالات ہیں؟ کیونکہ جب تک حالات کا بخوبی علم نہیں ہوگا، اس وقت تک لائحہ عمل بنانا بھی مشکل ہوگا۔ یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ فی زمانہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے

حالات میں دوطرح سے تبدیلیاں واقع ہورہی ہیں۔ایک وہ تبدیلیاں جوتقریباً تمام ملکوں،قوموں اور معاشروں میں واقع ہورہی ہیں اور دوسری وہ تبدیلیاں جن کے شکارصرف مسلمان ہیں اور انھیں سوچی سمجھی منصوبہ بندیوں کے تحت پیدا کیا جارہا ہے۔اس لیے مدارس کو دونوں ہی طرح کے حالات اور تغیرات کو سامنے رکھ کر مدارس کیلئے منصوبے بنانے ہوں گے۔لیکن اس سے بھی پہلا مسئلہ مدارس کے تحفظ کا ہے۔اس لیے کہ جب مدارس محفوظ رہیں گے،تبھی وہ کچھ کام کریں گے یا ان کیلئے کوئی لائحۂ عمل کارگر ہوگا۔مدارس کی حفاظت کا سوال اس لیے پیدا ہورہا ہے بعض عناصر اور گروہ مسلمانوں کو الزامات کی زد میں لینے کیلئے سرگرداں ہیں۔بعض لیڈران مدرسوں کے خلاف زہریلے بیانات دیتے ہیں اور مدرسوں کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے کرکے ان کی شبیہ کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایسے حالات میں کب مدرسوں کے خلاف سخت ماحول تیار ہوجائے،کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ گزشتہ دنوں مدرسوں کے متعدد طالب علموں سے راستوں میں جو چھیڑ چھاڑ کی گئی اور بعض پر تشدد کیا گیا،اس سے اس بات کا ثبوت مل جاتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کے کچھ منصوبہ بند گروہ کام کررہے ہیں۔یہ گروہ مدارس کو قومیت کا مخالف بنا کر بھی پیش کررہے ہیں۔غالبًا اسی لیے تیزی کے ساتھ یہ آواز اٹھائی جارہی ہے کہ مدارس میں یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے مواقع پر ترنگا لہرایا جائے۔وندے ماترم کا ایشو بھی وقتاً فوقتاً اٹھایا جاتا رہا ہے،جس سے یہ خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں اس کے گانے کو ضروری قرار نہ دے دیا جائے۔مدارس کے رجسٹریشن کی بات بھی ان دنوں چل رہی ہے اور حساب کتاب کے معاملے میں بھی آوازیں بلند کی جارہی ہیں۔ یہ سب باتیں اہلِ مدارس کو اس بات کا عندیہ دیتی ہیں کہ وہ باخبر ہوجائیں اور اپنے تحفظ کی فکر کریں۔

جہاں تک تحفظ کی بات ہے تو اس سلسلے میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ مدارس کو منظّم ہونا ہوگا۔ یہ تشویشناک بات ہے کہ ہندوستان میں مدارس کی خاصی تعداد ہے،جن میں چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی اور متوسط بھی لیکن وہ منظّم ومربوط نہیں ہیں۔کچھ مدرسے ضرور باہم مربوط ہیں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کی برابر کہی جاسکتی ہے۔باہم مربوط اور منظّم نہ ہونے کی وجہ سے مدارس ایک دوسرے کیلئے جس قدر معاون ثابت ہونے چاہئیں،نہیں ہو پارہے ہیں۔اگر کوئی بات کسی مدرسے والے کو معلوم ہے تو دوسرے کو معلوم نہیں،اگر کسی مسئلے کا حل کسی مدرسے کے پاس ہے تو دوسرے کے پاس نہیں۔ہر مدرسے والا صرف اپنی فکر کرتا نظر آتا ہے، دوسرے کی نہیں۔جب کہ مدارس ملّی ادارے ہیں،ذاتی نہیں،اس لیے ایک مدرسے کیلئے جو درد ہونا چاہئے، وہی دوسرے کیلئے بھی ہونا چاہئے۔اگر کوئی اپنے مدرسے کیلئے اچھا سوچے تو دوسرے کیلئے بھی اچھا سوچے۔کیونکہ

قوم کو صرف ایک یا چند مدرسوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بہت سے مدرسوں کی ضرورت ہے۔ چند مدرسے تمام مسلمانوں کی تعلیمی ضرورت کو پورا کر بھی نہیں سکتے، اس لیے اگر دوسرے مدرسے قائم ہیں، تو ان کی بھی اپنی افادیت واہمیت ہے، چنانچہ اگر کوئی اہم چیز کسی مدرسے والے کو معلوم ہو تو وہ دوسرے کو بھی بتائے۔

اگر سرکار کی جانب سے مدارس کیلئے فرمان جاری ہوتے ہیں اور کچھ معلومات دینے کو کہا جاتا ہے، یا سوالات کے جوابات دینے کی بات کی جاتی ہے، تو اہل مدارس اس پر سنجیدگی سے غور وفکر کریں، جن سوالات کے جوابات مانگے گئے ہیں، ان کے جوابات دینا کتنا ضروری ہے یا جو تفصیلات طلب کی جائیں، ان کو فراہم کرنا کتنا ضروری ہے اور اس کا طریقۂ کار کیا ہو۔ تمام مدرسوں والوں کو چاہئے کہ وہ کاغذی کارروائی کو مضبوط رکھیں۔ اس لیے کہ سرکار، عدالتیں کاغذی چیزوں کو زیادہ مانتی ہیں۔ رجسٹریشن کا مسئلہ اہم ہے، اربابِ مدارس کو چاہئے کہ وہ اس سے غافل نہ ہوں۔ آزادی کے مواقع پر ترنگا لہرانا یا اس موقع پر مجاہدین آزادی کو یاد کرنے کیلئے پروگراموں کا انعقاد کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے، بلکہ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح ہم اپنی نسلوں کو ان مجاہدین کے کارناموں اور قربانیوں سے آشنا کرسکیں گے جو انھوں نے آزادی کیلئے دیں۔ بعض عناصر آزادی سے متعلقہ کتابوں سے مسلم مجاہدین کے ناموں کو ہٹانے کی فکر میں ہیں اور ایسا دیکھا بھی جا رہا ہے کہ آزادی کے حوالے سے ایک دو مسلمانوں کا بمشکل ذکر کیا جاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے تحریک آزادی میں برابر حصہ لیا۔ ان کی قربانیاں کسی سے بھی کم نہیں ہیں۔ شر پسند عناصر کی طرف سے مدارس پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں یا سوالات اٹھائے جاتے ہیں، اہل مدارس کو ان سے واقف رہنا چاہئے، اس کا جواب انھیں ردِ عمل کے طور پر نہیں دینا چاہئے بلکہ عملی طور پر وہ اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مدارس کے بارے میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ دہشت گردی کے اڈّے ہیں۔ اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ اربابِ مدارس عملی طور پر ایسا کردار پیش کریں جو امن وامان سے عبارت ہو، وہ کسی شر پسندی، سخت گیری میں شریک نہ ہوں، سازشوں، منفی باتوں اور ریشہ دوانیوں کا حصہ نہ بنیں۔ اہل مدارس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ رجعت پسند ہیں۔ اس کے جواب میں مدارس اپنی کوکھ سے ایسے افراد پیدا کریں جو ہر جائز اور اہم ترقی کا حصّہ بن سکیں۔ وہ روشن خیالی کا ثبوت دیں۔ غرضیکہ جو سوالات مدارس کے تعلق سے اٹھائے جاتے ہیں، ان کا جواب خاموشی کے ساتھ دیا جانا چاہئے، یہی وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

دنیا بھر میں فی زمانہ معاشرتی وتہذیبی تبدیلیاں تیزی کے ساتھ رونما ہو رہی ہیں۔ مغرب کی طرف سے اٹھنے والی بے حیائی کی آندھیوں نے دنیا کے مختلف ملکوں اور معاشروں کو اپنی چپیٹ میں لے لیا ہے اور پرانی پرانی تہذیبوں کے درختوں کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی ہیں، اچھے خاصے دیندار گھرانے اور ان کے افراد بھی مغرب زدہ ہوئے جا رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا سیلاب جس کو روکنا اکیسویں صدی کا بڑا چیلنج ہے۔ اگر فوری طور سے اس پر توجہ نہ دی گئی تو ممکن ہے آگے چل کر مسلم معاشرت کے تحفظ کا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ مدرسے اس تعلق سے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور کہیں نہ کہیں مسلمانوں کی خاصی بڑی آبادی پر ان کے اثرات قائم ہیں۔ اب یہ ذمہ داری اربابِ مدارس پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مسئلے سے کیسے نمٹیں۔ اپنے یہاں تعلیم وتربیت کے حوالے سے کیا طریقے اختیار کریں۔

تعلیم کے حوالے سے جو تبدیلیاں سامنے آ رہی ہیں، ان میں کئی پرانے موضوعات پیچھے چلے گئے ہیں اور کئی نئے موضوعات سامنے آ گئے ہیں۔ جب کہ پرانے موضوعات میں متعدد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی نئے موضوعات میں سے کئی ایک کی خرابی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر گزشتہ صدیوں میں اخلاقی وانسانی اقدار کو اہمیت دی جاتی تھی، مگر آج اخلاقیات کی طرف توجہ نہیں ہے یا بہت کم ہے۔ جب کہ اخلاقیات انسانی زندگی کیلئے بہت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح سے جن نئے موضوعات کی مقبولیت ہے، ان میں کئی ایک انسانی معاشرے کیلئے نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ مدرسے والوں کو سوچنا ہوگا کہ وہ گمنامی کے دھندلکوں میں روپوش ہوتے ہوئے ضروری اور اہم موضوعات کو کیسے زندہ رکھیں اور منفی موضوعات اور علوم کو کیسے بے اثر بنائیں۔ نیز جو نئے علوم اور موضوعات انسانی زندگی کیلئے اہم اور بنیادی ہیں، ان کے ساتھ کیسے اپنے بچوں کو ہم آہنگ کریں۔ کیونکہ اس تیز رفتار دنیا میں مدارس سے وابستہ افراد کو جدید حالات اور جدید تقاضوں سے بے خبر چھوڑنا دانشمندی نہیں ہے۔

اہل مدارس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اگلے پچاس سال تک کیلئے کوئی لائحۂ عمل تیار کریں۔ اور اس لائحۂ عمل کے بنانے سے قبل ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ موجودہ حالات سے کماحقہ باخبر ہوں، نیز اگلے پچاس سالوں میں کیا کیا تبدیلیاں ہو سکتی ہیں، عوامی رجحانات کیا ہوں گے ان کو بھی سامنے رکھیں۔ کیونکہ عقلمند قومیں وہ ہوتی ہیں جو مستقبل کو سامنے رکھتی ہیں۔ یہ بھی سبھی لوگ جانتے ہیں کہ عوامی رجحانات بدلتے رہتے ہیں، پرانے روپوش ہوتے جاتے ہیں

اور نئے روشنی میں آتے چلے جاتے ہیں۔ یہ زمانہ کا الٹ پھیر ہوتا ہے۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے بلکہ یہ سلسلہ چلا آرہا ہے اور آگے بھی جاری رہے گا۔منطق کے اعتبار سے دنیا کے فنا کی یہ بہت بڑی دلیل ہے۔اہل منطق کہتے ہیں العالم متغیر، وکل متغیر حادث، فالعالم حادث۔تبدیلیاں ثابت کررہی ہیں کہ دنیا ایک حالت میں نہیں رہتی۔اس میں تبدیلیاں ہوتی ہیں جو اس بات کا اشارہ کررہی ہیں کہ ایک دن دنیا ختم ہوجائے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ اہل مدارس آخر کیا لائحۂ عمل تیار کریں؟ کیسے حالات کا سامنا کریں؟ کیسے اپنے بچوں کو دین و دنیا دونوں اعتبار سے کامیاب بنائیں۔ کیسے انھیں دین کی تعلیم کے ساتھ دنیا سے بھی واقف کرائیں، کیسے وہ تہذیبی ومعاشرتی سیلاب کو روکیں، کیسے وہ ان رجحانات اور تحریکات کا سامنا کریں جو عوامی ذہنوں کو لگاتار متاثر کررہی ہیں۔ کیسے اپنا تحفظ کریں اور دوسروں کی بھلائی کا بھی فریضہ انجام دیں۔تو اس سلسلے میں انھیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے پاس دین اسلام کی روشنی موجود ہے اور دین اسلام وہ دین ہے جو قیامت تک انسانوں کو ساتھ دینے والا ہے۔اسلام میں ایسی تعلیمات موجود ہیں جو قیامت تک آنے والے لوگوں کیلئے مفید ثابت ہوتی رہیں گی اور نئے مسائل کا حل پیش کرتی رہیں گی۔قرآن اللہ کا کلام ہے اور انسانی زندگی کیلئے جامع دستورِ حیات بھی۔اگر ہم اپنے سامنے معاملات کو دین کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً ہم کامیاب ہوتے رہیں گے۔گزشتہ چودہ صدیاں گواہ ہیں کہ اس اثنا میں مسلمان جب بھی قرآن وحدیث کے مطابق چلے، کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور جب بھی وہ قرآن وحدیث سے ہٹ کر ان نئے رجحانات وتحریکات سے وابستہ ہوئے جو لوگوں کے اپنے وضع کردہ تھے، ناکامی ان کے حصے میں آئی۔اگر دین اسلام ہر زمانے کا ساتھ نہ دیتا تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا، یعنی اگر مسلمان دینی تعلیمات پر چلتے تو ناکام ہوجاتے اور نئی تحریکات ونظریات کے مطابق زندگی گزارتے تو کامیاب ہوجاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ اسلام کی روشنی میں اپنے مسائل کو حل کرنے میں انھیں کامیابی ملی اور اس کے خلاف جانے ان کے مسائل اور زیادہ الجھ گئے۔لہٰذا اہل مدارس کو اپنا پورا لائحۂ عمل خواہ محض عہد حاضر کیلئے ہو، یا اگلے پچاس سال کیلئے ہو، یا اگلے سو سال کیلئے، اسلام کی روشنی میں ہی بنانا پڑیگا۔انشاء اللہ کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ بہرکیف ارباب مدارس بیدار رہوں، کچھ تبدیلیوں کا سامنا کرنے کیلئے آگے آئیں، نئے تقاضوں کو سامنے رکھیں، وسیع تناظر میں سوچیں اور مضبوط ومستحکم لائحۂ عمل اور نظام بنائیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ ❍❖❍

صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلقات

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ ﷺ اللہ کی جانب سے مصطفیٰ اور مجتبیٰ یعنی چنے ہوئے تھے، اللہ نے نبوت کیلئے آپ کا انتخاب فرمایا تھا، جیسے اللہ نے آپ کو نبوت جیسی عظیم ذمہ داری کیلئے منتخب فرمایا، اسی طرح آپ ﷺ کی رفاقت اور صحبت کیلئے بھی انسانیت کے منتخب اور برگزیدہ اشخاص کا انتخاب ہوا، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کی صحابیت کیلئے منتخب فرمایا ہے''اختارھم اللّٰہ لصحبۃ نبیہ'' اسی طرح اللہ کی جانب سے آپ ﷺ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم اور پاک بیویاں بھی سرد و گرم کی رفاقت اور اُمت کیلئے خانگی اور نجی زندگی کا نمونہ پیش کرنے کیلئے اللہ کی جانب سے منتخب تھے، ان ہی اہل بیت میں آپ ﷺ کی صاحبزادیاں تھی اور ان صاحبزادیوں میں آپ ﷺ کی چہیتی اور چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ نے خواتین جنت کی سردار قرار دیا اور جن کے بارے میں اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی گواہی ہے کہ آپ ﷺ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہؓ سے تھی، حضرت فاطمہؓ اپنے اُٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں حضور ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا پر حیاء کا اس قدر غلبہ تھا کہ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی شاید ہی اس کی کوئی مثال مل سکے۔

حضرت فاطمہؓ کے شوہر چوتھے خلیفہ راشد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، جو حضور ﷺ سے نسبی اعتبار سے قریب ترین تعلق رکھنے کے علاوہ اسلام میں سبقت سے مشرف تھے اور حضور ﷺ کی نگاہ میں ان کے مقام و مرتبہ کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں جس کا دوست ہوں، علی اس کے دوست ہیں۔'' گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعلق اور محبت کو آپ ﷺ نے اپنی محبت کا معیار بنایا، اہل سنت والجماعت کے معتبر علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں کچھ یہودیوں کی سازش سے جو فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے؛ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو حدیث میں ''فئۃ باغیۃ'' (باغی گروہ) قرار دیا گیا، حضرت فاطمہؓ کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، جو باحیات رہے اور ان ہی دونوں حضرات سے رسول اللہ ﷺ کی مبارک نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانانِ جنت کا سردار قرار دیا، یہ روایت اہل سنت کے یہاں کثرت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو پکڑتے اور کہتے: اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان دونوں سے محبت کیجئے! (بخاری) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کو مجھ سے محبت ہوگی، وہ ان دونوں سے محبت رکھے گا۔ (مجمع الزوائد) عجیب بات ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جسمانی طور سے بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی مماثلت تھی؛ چنانچہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو صحابہ اور صالحین کو ناقابل بیان صدمہ پہنچا، حضرت اُم سلمہؓ کو جب اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع پہنچی، تو اہل عراق پر لعنت بھیجی اور ان کیلئے ہلاکت کی دُعاء فرمائی۔ (مجمع الزوائد: ۹/۱۹۴) امام ابراہیم نخعیؒ نے خوب فرمایا کہ اگر خدانخواستہ میں قاتلان حسین میں سے ہوتا اور میری مغفرت کردی جاتی، نیز میں جنت میں داخل کیا جاتا تب بھی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے شرم محسوس ہوتی۔ (ایضاً)

حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت کے بغیر کوئی ایسا شخص رہ ہی نہیں سکتا، جو واقعی مسلمان ہو اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کوئی درجہ حاصل ہو، صحابہ چوں کہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے اور آپ کی نسبت پر وارفتہ تھے، اس لئے اہل بیت سے ان کو خاص تعلق تھا، بنی اُمیہ کا حکمراں مروان ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ جب سے ہمیں آپ کی رفاقت حاصل ہوئی ہے، مجھے آپ کی کسی بات سے ناگواری نہیں، سوائے اس سے کہ آپ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سمٹ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے، ایک جگہ حضو صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز سنی، حضرت فاطمہؓ بھی ساتھ تھیں، آپ تیز تیز چل کر وہاں پہنچے اور فرمایا کہ ہمارے بیٹوں کو کیا ہوا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ یہ پیاسے ہیں، آپ انے اپنے مشکیزے میں دیکھا تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا، پھر آپ انے اپنے رفقاءِ سفر سے پانی کے بارے میں فرمایا تمام ہی لوگ پانی کے برتن کی طرف لپکے؛ لیکن اتفاق کہ کسی کے پاس پانی موجود نہیں، تو آپ انے باری باری حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنی زبان مبارک کو چسایا، جب انھیں سکون ہوا، تو آپ اکو اطمینان ہوا، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اسی لئے میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔ (طبرانی) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ گلشن محمدیؐ کے ان غنچہ ہائے سدا بہار اور گل ہائے مشک بار سے کیسی محبت رکھتے تھے

کہ ظالم حکمرانوں کا خوف بھی اس کے اظہار میں مانع نہ ہوتا تھا۔

لیکن کیا حضرات حسنینؓ سے اُمت کی یہ محبت اور دربار رسالت مآب میں ان کا یہ درجہ ومقام صرف اسی وجہ سے تھا کہ یہ حضور کے نواسے تھے؟ — یقیناً یہ نسبت بھی اس محبت میں کارفرما ہے؛ لیکن اس سے بڑھ کر حضرات حسنینؓ کا اُسوہ اوران کا کردار ہے، جو قیامت تک کیلئے نقشِ لافانی ہے، حضرت ابوبکرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ منبر اقدس پر تھے اور آپ کے پہلو میں حضرت حسنؓ تھے، آپ ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک دفعہ حضرت حسنؓ کی طرف اور ارشاد فرماتے: میرا یہ بیٹا سید (سردارِ اُمت) ہے، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائیں گے۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس وقت ظہور پذیر ہوئی جب خلیفہ؟ راشد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں آگے بڑھے اور ادھر اہل حجاز اور اہل عراق حضرت حسن بن علیؓ کی قیادت میں، عام طور پر صحابہ اور اکابر تابعین حضرت حسنؓ کے ساتھ اوران کے موقف کے موید تھے اور بقول حضرت عمرو بن العاصؓ پہاڑوں کی طرح لشکرِ جرار حضرت حسنؓ کی رکاب میں تھا اور یہ ایسے جان نثار لوگ تھے، کہ بہ ظاہر ان کا پشت دکھا کر بھاگنا ہرگز متوقع نہیں تھا، بہ ظاہر حضرت حسنؓ کے غالب آنے کی توقع زیادہ تھی؛ لیکن جب حضرت معاویہؓ کی طرف سے صلح کی پیشکش ہوئی، تو حضرت حسنؓ نے اپنے بہت سے رفقاء کی مخالفت؛ بلکہ ایک گونہ طعن وتشنیع کے باوجود اس پر لبیک کہا اور اپنا ہاتھ امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں دیا؛ تاکہ مسلمانوں کی خونریزی نہ ہو اور اسلامی دنیا ایک جھنڈے کے نیچے آجائے، اس طرح وہ پیشین گوئی شرمندہ تعبیر ہوئی جسے رسول اللہ نے آپ کے سلسلہ میں فرمائی تھی، یہ کچھ معمولی قربانی نہیں تھی اور اس قربانی نے اسلام کی تاریخ میں حضرت حسنؓ کو ایسی عظمت عطاء کی، کہ اگر وہ پورے عالم اسلام کے متفق علیہ تاج ور بن جاتے، تب بھی شاید ان کو یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوتا اور لوگوں کے قلوب پر ان کی حکمرانی قائم نہ ہوئی ہوتی۔

چنانچہ ایک بار پھر پورا عالم اسلام ایک جھنڈے کے نیچے آگیا اور ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مختلف علاقوں میں مسلمان فاتحانہ پیش قدمی کرنے لگے، اس سے کوئی حقیقت پسند انکار نہیں کرسکتا، کہ اس میں بنو امیہ کے تدبر سے زیادہ حضرت حسنؓ کے ایثار کا حصہ ہے!

حضرت حسینؓ کا یزید بن معاویہ کے مقابلہ کھڑا ہونا اس لئے نہیں تھا کہ آپ حکومت کی حرص وطمع رکھتے تھے،

حضرت حسن کو خانوادہ نبوی سے نسبت کا جو شرف حاصل تھا، اس پر ہزار حکومتیں قربان اور نچھاور تھیں؛ بلکہ اصل یہ ہے کہ اسلام جس دور میں آیا، وہ ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کا دور تھا، اس وقت کی معلوم دنیا میں جہاں بھی چھوٹی بڑی حکومت تھی، ان کی اساس خاندانی بادشاہت پر تھی، اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں کی اصلاح کی، وہیں نظام سیاست کی بھی اصلاح کی اور خلافت کا تصور دیا۔

خلافت میں دو باتیں اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ اس منصب کیلئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے، جو اخلاق و کردار کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کا حامل ہو، دوسرے مسلمانوں کے اربابِ حل وعقد نے اس کا انتخاب کیا ہو، اسی اُصول پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا، پھر حضرت ابوبکرؓ نے اکابر صحابہ کے مشورہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ رکنی کمیٹی بنادی اور ان حضرات نے عام مسلمانوں سے مشورہ اور باہمی تبادلہ خیال کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد اہل مدینہ اور اکابر صحابہ ث نے بہ اصرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جن صحابہ کو اختلاف تھا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے بارے میں تھا، ورنہ ان کی لیاقت کے بارے میں کسی کو کلام نہیں تھا اور اس لئے علماء اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک وہی خلیفہ برحق تھے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی آپ اپنی خلافت کا اعلان نہیں فرمایا؛ بلکہ اس عہد کے اکابر صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تیس سالہ خلافت راشدہ کی پیشین گوئی فرمائی تھی، وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے چھ ماہی عہدِ خلافت پر مکمل ہوجاتی ہے۔

یزید کی حکمرانی سے ایک نئے طریقہ کا آغاز ہوا، کہ بعض ایسے لوگ جو اس سلسلہ میں اسلام کے مزاج سے پوری طرح واقف نہیں تھے اور ان کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں تھی، انھوں نے حضرت معاویہؓ کو باور کرایا کہ آئندہ کے لئے یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا جائے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اکابر صحابہؓ جو اس وقت موجود تھے، ان کو حکمرانی کے اس نئے طریقہ سے اس قدر اختلاف تھا، جتنا حضرت حسین کو؛ لیکن بعض صحابہ نے فتنہ کے اندیشہ سے خاموشی اختیار کی اور بعض نے اُمت کو اختلاف سے بچانے کیلئے بہ کراہت خاطر اس تجویز کو قبول کرلیا، اب اگر تمام صحابہ اس صورت حال پر یہی رویہ اختیار کرتے اور کسی کی طرف سے مزاحمت پیش نہ آتی، تو آئندہ یہ بات سمجھی جاتی کہ اسلام میں

خلافت علی منہاج النبوۃ کے ساتھ ساتھ عہدِ جاہلیت کی مروجہ ملوکیت کی بھی گنجائش ہے؛ چنانچہ حضرت حسینؓ نے اس کی مزاحمت کو ضروری سمجھا، یہاں تک کہ اپنے رفقاء اور اہل خاندان کے ساتھ نہایت ہی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے اور قاتلان حسین نے جہاں آخرت میں اپنے لئے اللہ کے عذاب اور ابدی خسران کو محفوظ کر لیا وہیں دنیا میں بھی قیامت تک کیلئے اہل ایمان کی نگاہ میں ملعون ومغضوب قرار پائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ مہم بہ ظاہر کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی؛ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو معنوی فتح حاصل ہوئی؛ چنانچہ اُمت کے علماء وفقہاء اور ارباب نظر آج اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام جس نظام حکمرانی کا داعی ہے، وہ خلافت ہے نہ کہ خاندانی بادشاہت، حالاں کہ مسلمانوں کی تاریخ کا بڑا حصہ اسی بادشاہت کا ہے؛ لیکن اس کے باوجود آج اسے اسلامی فکر کے خلاف کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اور کیوں اس رویہ کو قبول نہیں کیا گیا؟ یقیناً اس میں بڑا حصہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مزاحمت اور اسی راہ میں شہادت کا ہے، ورنہ بعد کے لوگ سمجھتے کہ اس مدت پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہو چکا ہے۔

پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اُسوہ یہ ہے کہ اُمت کو اختلاف وانتشار سے بچانے کیلئے اپنے اقتدار کی قربانی گوارا کیا جائے اور ایثار سے کام لیا جائے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اُسوہ یہ ہے کہ جب دین میں کوئی طاقت کمی بیشی کرنا چاہے اور اسلام کی صحیح تصویر کو مسخ کرنے کے درپے ہو تو چاہے اس کیلئے اپنی رگِ گلو کٹانی پڑے؛ لیکن بہتر قیمت اللہ کے دین اور شریعت کی فکری سرحدوں کی حفاظت کی جائے، آج کے حالات میں یہ دونوں نمونے اُمت کیلئے مشعلِ راہ ہیں، اُمت کی وحدت کو برقرار رکھنے کیلئے عہدہ وجاہ کا ایثار اور دین کی حفاظت وصیانت کیلئے اپنی جان عزیز تک کی قربانی!! ❍❖❍

09431015205 0612 - 2675321

ہر قسم کی عمدہ اور فرحت بخش چائے کا مرکز

ڈائمنڈ ٹی کمپنی

DIAMOND TEA CO.

دریاپور گولہ، باری پتھ، پٹنہ - ۴

سیرتِ نبوی ﷺ میں سادگی کے نقوش

از: مولانا محمد مجیب الرحمٰن، استاذ دارالعلوم حیدرآباد

آج ہر طرف سامانِ دنیا کی ریل پیل ہے، ہر کوئی عیش کوشی کا متمنی، ہر ایک دنیوی زندگی سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا خواہاں، ہر شخص سامانِ عیش وعشرت کا طلب گار، ہر کوئی دنیاوی آسائش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا خواہاں، امیر ہو کہ غریب ہر کوئی اسی فکر میں مست ومگن ہے کہ کیسے اسباب دنیا وسیع ہوں؟ نیز کیسے اس کی زندگی مادی وسائل کے اعتبار سے معیاری ومثالی بنے، بس اسی فکرِ دنیا میں عمر عزیز کٹ رہی ہے، اور دن بہ دن دوسری دنیا کے قریب ہو رہے ہیں؛ حالانکہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسباب عیش وعشرت اختیار کرنے میں اپنے آقا سرورِ دوعالم ﷺ کے طرزِ عمل کو جانیں، اور اسوۂ نبوی ﷺ کو اپنانے کی کوشش کریں کہ کیسے آپ ﷺ نے اسباب ووسائل کی وسعت پر قادر ہوتے ہوئے دنیوی عیش سے اعراض کیا، بقدر زیست دنیا استعمال کر کے اہل دنیا کیلئے انمٹ نقوش ثبت کر گئے، جن میں اہل دنیا کیلئے راہِ عمل ہے، کہ جسے اپنا کر ایک مسلمان اپنی اخروی زندگی سدھار سکتا ہے، بجائے اس کے کہ ہم آپ ﷺ کی زہدانہ زندگی کے ان اہم واقعات کو اپنی زندگی کیلئے عملی نمونہ بناتے، اور اعمال کی انجام دہی میں یہ واقعات ہمارے لیے مہمیز کا کام دیتے ہم نے انھیں قصہ کہانی سمجھ لیا؛ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان واقعات کو عملی تحریک کا ذریعہ بنائیں، جب زندگی حالات سے دوچار ہو تو ان واقعات کے استحضار سے اپنے قلب ودماغ کو صبر وشکر کا عادی بنائیں۔ ویسے تو آپ ﷺ کی کل زندگی ہی روشن ابواب پر مشتمل ہے، انھیں میں ایک اہم اور روشن باب آپ ﷺ کی زہدانہ زندگی کا ہے، آپ ﷺ کا زہد اختیاری ہے، اس میں اعتدال ہے، آپ ﷺ کی زندگی مُسرفانہ زندگی سے بے زار ہے، اس میں قلب وزبان صبر وشکر کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے، ہمارے لیے یہی اسوہ ہے۔

آپ ﷺ کا بچھونا:

جب انسانی جسم راحت کا عادی ہو جائے تو اس پر مجاہدہ بہت ہی شاق ہوتا ہے، تکلیف ومشقت جھیلنا بڑا گراں گزرتا ہے، جس کی بناء پر مصائب میں الجھ کر مسکرانا اس کیلئے دشوار ہوتا ہے، راحتِ جسمانی کیلئے ایک بچھونا وبستر بھی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں: ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چٹائی پر آرام کیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر کچھ نشانات آگئے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا وہ بول پڑے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں نرم چٹائی بچھادوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے دنیا کی کیا ضرورت؟ میری اور دنیا کی مثال اس مسافر کی طرح ہے جو گرماں کے زمانے میں سفر کررہا ہو اور تھوڑی دیر کیلئے درخت کے سائے میں آرام کیا اور چل دیا، اسی طرح کے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت بھی مروی ہیں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نرم بستر بچھادیا تھا، (مشکوٰۃ:۲۴۴)

اسی کو مولانا مناظر حسین گیلانیؒ نے بڑے عمدہ انداز میں یوں بیان فرمایا: کہ خاک کے فرش کے سوا جس کے پاس کوئی فرش نہ تھا، وہ اگر خاک پے سویا تو کیا خاک سویا، جو تخت پر سوسکتا تھا وہ مٹی پر سویا تو اسی کا سونا ایسا خالص سونا ہے جس میں کوئی کھوٹ نہیں۔ (النبی الخاتم:۲۵) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کی کیفیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں: ''اِنَّمَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الَّذِيْ یَنَامُ عَلَیْہِ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُہ لِیْفٌ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کے پتے بھر دیے جاتے تھے۔

لباس میں سادگی:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص کپڑوں میں زیادہ پسند تھی۔ (الوفاء۲/۳۶۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو ایک موٹا سا جبہ اور ایک موٹا سا ازار نکال کر بتایا اور اس بات کی نشاندہی کردی کہ یہی وہ دونوں کپڑے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرماگئے۔ (الوفاء۲/۵۶۵)

تکلّفات وتصنعات سے احتراز کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمدہ سے عمدہ لباس سے گریزاں تھے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک عمدہ لباس عطا کیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی، اور نماز کے بعد فوراً اسے اتارا اور لوٹا دیا، دوسرا سادہ لباس زیب تن فرمایا اور ارشاد فرمایا: لے جاو! اس سے میری نماز میں خلل واقع ہوا۔ (الوفاء:۴۶۵)

طعام میں سادگی:

ظاہری طور پر جسمِ انسانی کی بقاء کا ذریعہ غذا ہے؛ لیکن وہی غذا انسان کیلئے مفید ہے، جو بندگی پر قائم رکھنے کا سبب بنے؛ اس لیے کہ مقصودِ اصلی اطاعت وبندگی ہے، جب مقصود اصلی سے صرفِ نظر کرکے غذا کیلئے دوڑ دھوپ ہوگی تو ظاہر ہے اس میں حرمت وحلت کے پہلو کو بھی نظر انداز کیا جائے گا، یہ غذا انسان کیلئے مفید ہونے کے بجائے مضر ہوگی، جس میں سادگی کے بجائے تنوعات وتکلّفات شامل ہونگی، جس

میں فضول خرچی واسراف کی بہتات ہوگی، آپ ﷺ کھانے میں انتہائی محتاط طریقہ اختیار کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ یہ دعا بھی فرماتے: ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتاً'' (مشکوۃ:۴۴۰) اے اللہ! آلِ محمد کے رزق کو بقدر زیست بنا۔ نیز جب آپ ﷺ کیلئے پہاڑوں کو سونا بنانے کی پیشکش کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے میرے رب میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں؛ تاکہ جب کھاؤں تو تیرا شکر کروں، اور جب بھوکا رہوں تو آپ کی جانب گریہ وزاروی میں لگا رہوں۔ (مشکوۃ:۴۴۴)

آپ ﷺ کے اسی طرزِ عمل وتربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اسی طرزِ عمل کو اپنانے کیلئے کوشاں رہتے؛ چنانچہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا، جس کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی رکھی ہوئی تھی، آپ کو مدعو کیا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کردیا، اور فرمایا: آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرماگئے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر نہ کھائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مالدار صحابہ میں ہیں، اس کے باوجود ایک دفعہ برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا، اس کو دیکھ کر رونے لگے، رونے کی وجہ دریافت کی گئی، تو فرمایا: آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرماگئے؛ مگر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی، ہمارے لیے اس مؤخر شدہ میں خیر نہیں۔ (الوفاء:۲/۸۴۱)

ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ تقریر کرتے ہوئے فرمانے لگے: کہ لوگوں نے دنیا سے کیا کیا نفع اٹھایا؛ مگر میں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے کہ ایک ایک دن گزر جاتا؛ مگر آپ ﷺ کے پاس ردی کھجور بھی نہ ہوتی۔ (الوفاء:۲/۸۴۰) یہ وہ افراد تھے جو اپنے لیے اسبابِ رزق کی وسعت کو خیر تصور نہ کرتے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک وسیع وعریض اسلامی ریاست کے مقتدرِ اعلی ہوتے ہوئے انتہائی سادگی پسند تھے، اور دنیاوی تکلّفات سے گریزاں تھے۔

رہن سہن میں سادگی:

آپ ﷺ چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں ہرگز ایسی ہیئت کو پسند نہ فرماتے جس سے نمایاں ہوکر ظاہر ہوں، جب آپ ﷺ گھر میں ہوتے تو گھر کے کام کاج خود کرلیا کرتے، اپنی بکری کا دودھ دوہتے، نیز دیگر امور میں ہاتھ بٹاتے، جب راستہ چلتے تو خود آگے اور دوسروں کے پیچھے چلنے کو ناپسند فرماتے؛ بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ ساتھ چلنے کی تلقین فرماتے، اسی طرزِ عمل کی بنا پر بعض دفعہ نو واردین آپ ﷺ کی پہچان میں شک وشبہ میں پڑ جاتے؛ چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ پہونچے تو اسی طرح کا واقعہ پیش آیا، الغرض آپ ﷺ کی کل زندگی سادگی سے عبارت تھی، آپ ﷺ کے ہر ہر عمل سے سادگی ظاہر ہوتی تھی، ایک مومن ہونے کے ناطے ہمیں آپ ﷺ کی سادگی پر مر مٹنے کی حسرت ہونی چاہیے۔ بقیہ صفحہ 37/ پر ملاحظہ ہو!

نماز کی قضاء کا حکم

از: مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی

علماء امت کا اتفاق ہے کہ فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اسلام میں زنا کرنے، چوری کرنے اور شراب پینے سے بھی بڑا گناہ نماز کا ترک کرنا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر نماز وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اور اگر کبھی کوئی نماز وقت پر ادا نہ کر سکے تو اسے پہلی فرصت میں پڑھنی چاہیے۔ ہماری اور ہمارے علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس بات کی کوشش وفکر کریں کہ امتِ مسلمہ کا ہر ہر فرد وقت پر نماز ادا کرنے والا بن جائے اور ہماری نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا ہوں؛ کیونکہ اسی میں ہماری اور تمام انسانوں کی اخروی کامیابی مضمر ہے؛ جیسا کہ خالق کائنات نے (المؤمنون آیات:۱-۱۱) میں بیان فرمایا ہے۔

نماز بالکلیہ نہ پڑھنے والوں یا صرف جمعہ وعیدین یا کبھی کبھی پڑھنے والوں کا قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم کیا ہے؟ سعودی عرب کے مشہور عالم دین شیخ محمد بن صالح العثیمین نے اپنی کتاب ''حکم تارک الصلاۃ'' میں فقہاء وعلماء کی مختلف آراء تحریر کی ہیں: حضرت امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں: کہ ایسا شخص کافر ہے، اس کی سزا یہ ہے کہ اگر توبہ کرکے نماز کی پابندی نہ کرے تو اس کو قتل کردیا جائے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کہتے ہیں: کہ نماز کو چھوڑنے والا کافر تو نہیں؛ البتہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا؛ البتہ حاکم وقت اس کو جیل میں ڈال دیگا اور وہ جیل ہی میں رہیگا، یہاں تک کہ توبہ کرکے نماز شروع کردے یا پھر وہیں مر جائے۔

قرآن وحدیث میں وارد نماز کی وقت پر ادائیگی کی خصوصی تاکید کے باوجود بعض مرتبہ نماز فوت ہوجاتی ہے، کبھی بھول سے، کبھی کوئی عذر لاحق ہونے کی بنا پر اور کبھی محض لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے۔ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں جمہور فقہاء وعلماء ومحدثین ومفسرین کا اتفاق ہے کہ تمام فوت شدہ نمازوں کی قضا کرنی چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ نے متعدد مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر نماز وقت پر ادا نہ کرسکیں تو بعد میں اس کو پڑھیں، اختصار کے مدنظر صحیح بخاری وصحیح مسلم میں وارد ایک حدیث ذکر کررہا ہوں: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے فوراً پڑھ لے، اس کا

سوائے اس کے کوئی کفارہ نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے نماز قائم کرو میری یاد کے واسطے۔ (بخاری ومسلم) بعض روایات میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں: جو شخص نماز کو بھول جائے یا اس کو چھوڑ کر سو جائے، اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے پڑھے۔ حدیث کی مشہور کتاب ترمذی میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو بھی نماز کو بھول جائے یا اس سے سو جائے تو وہ جب بھی یاد آئے اس کو پڑھ لے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ تاخیر سے سونے کی عادت بنا کر فجر کی نماز کے وقت سوتے رہنا گناہ کبیرہ ہے۔ دیگر احادیث کی روشنی میں اس حدیث میں سوتے رہنے سے مراد یہ ہے کہ نماز وقت پر پڑھنے کے اسباب اختیار کیے؛ مگر کسی دن اتفاق سے آنکھ نہ کھل سکی۔

حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بعض نمازیں وقت کے نکلنے کے بعد ادا فرمائی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوۂ خیبر سے واپس ہو رہے تھے، رات میں چلتے چلتے جب نیند کا غلبہ ہوا تو آپ ﷺ نے رات کے اخیر حصہ میں ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال ﷺ کو نگہبانی کیلئے متعین فرما کر آپ ﷺ لیٹ گئے اور صحابہ بھی سو گئے۔ جب صبح قریب ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ (تھکان کی وجہ سے) اپنی سواری سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، پس آپ پر نیند غالب ہوئی اور وہ بھی سو گئے اور سب حضرات ایسے سوئے کہ طلوعِ آفتاب تک نہ اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھ کھلی اور نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی، نہ کسی اور صحابی کی۔ جب سورج طلوع ہوا اور اس کی شعاعیں ان حضرات پر پڑیں تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور گھبرا کر حضرت بلالؓ کو اٹھایا۔ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آگے چلنے کا حکم دیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی سواریاں لے کر آگے بڑھے اور ایک جگہ حضور اکرم ﷺ نے وضو کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جو نماز کو بھول جائے اس کو چاہیے کہ وہ یاد آنے پر اس کو پڑھ لے۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے دن آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اب تک عصر نہ پڑھ سکا حتی کہ سورج غروب ہونے کو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی عصر نہیں پڑھی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے وضو کیا، ہم نے بھی وضو فرمایا اور پھر غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ نے پہلے عصر پڑھی پھر اس کے بعد مغرب ادا فرمائی۔ (بخاری) بعض احادیث میں مذکور ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ کی ایک سے زیادہ نمازیں فوت ہوئی تھیں اور آپ ﷺ نے انھیں وقت نکلنے کے بعد پڑھا۔

مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہوا کہ اگر ایک یا ایک سے زیادہ نماز فوت ہوجائے تو فوت شدہ نمازوں کا پڑھنا لازم وضروری ہے۔ تفصیلات کیلئے امام نوویؒ کی صحیح مسلم کی سب سے مشہور شرح (شرح مسلم: ۱/۲۷۷) اور ابن حجر عسقلانیؒ کی صحیح بخاری کی سب سے مشہور شرح (فتح الباری: ۲/۶۹-۷۰) کا مطالعہ کریں۔ بھول یا عذر کی وجہ سے وقت پر نماز ادا نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔ لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز کو ترک کردے تو یہ بڑا گناہ ہے، اس کیلئے توبہ ضروری ہے۔ توبہ کے ساتھ جمہور علماء کی رائے ہے کہ اس کو نماز کی قضا بھی کرنی ہوگی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں یہی رائے ہے کہ قصداً وعمداً نماز چھوڑنے پر بھی نماز کی قضاء کرنی ہوگی۔ شیخ ابوبکر الزرعی (۱۹۶ھ-۷۵۱ھ) نے اپنی کتاب (**الصلاۃ وحکم تارکھا**) میں تحریر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ اس شخص پر بھی نماز کی قضا واجب ہے جو قصداً نماز کو چھوڑ دے؛ مگر قضاء سے نماز چھوڑنے کا گناہ ختم نہ ہوگا؛ بلکہ اسے نماز کی قضاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگنی ہوگی۔ علامہ قرطبیؒ (متوفی ۶۷۱ھ) نے اپنی مشہور ومعروف تفسیر (الجامع لاحکام القرآن: ۱/۱۷۸) میں یہی تحریر کیا ہے کہ جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے شخص پر قضاء واجب ہے، اگرچہ وہ گناہ گار بھی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر قضاء واجب ہے۔ غرضیکہ اگر کسی شخص کی ایک یا متعدد نمازیں قصداً چھوٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ سے معافی کے ساتھ فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنی ضروری ہے؛ کیونکہ جمہور علماء حتی کہ چاروں ائمہ نے حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں یہی کہا ہے، صرف زمانۂ قدیم میں جناب داؤد ظاہری اور موجودہ زمانہ میں اہلِ حدیث حضرات نے اختلاف کیا ہے۔ اور جن بعض علماء نے نماز کے جان بوجھ کر ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے واجب نہ ہونے کا جو فیصلہ فرمایا ہے وہ اصل میں اس بنیاد پر ہے کہ ان کے نقطۂ نظر میں جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص کافر ہوجاتا ہے۔ اب جب کافر ہوگیا تو نماز کی قضاء کا معاملہ ہی نہیں رہا؛ لیکن جمہور علماء کی رائے ہے کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص کافر نہیں؛ بلکہ فاسق یعنی گناہ گار ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے ورنہ عصر حاضر میں امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد دائرۂ اسلام سے خارج ہوجائے گی۔

صحیح مسلم کی سب سے مشہور شرح لکھنے والے اور ریاض الصالحین کے مصنف امام نوویؒ نے شرح مسلم میں تحریر کیا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص نماز کو عمداً ترک کردے اس پر قضاء لازم ہے۔ بعض علماء نے مخالفت کی ہے؛ مگر بعض علماء کی یہ رائے اجماع کے خلاف ہونے کے ساتھ دلیل کے لحاظ سے بھی باطل ہے۔ نیز انھوں نے تحریر کیا ہے کہ بعض اہل ظاہر سب سے الگ ہوگئے اور کہا کہ بلا عذر چھوٹی ہوئی نماز کی قضاء واجب نہیں، اور انہوں نے یہ خیال وگمان کیا کہ نماز کا چھوڑنا اس سے بڑا گناہ ہے کہ قضاء کرنے کی وجہ سے اس کے وبال سے نکل جائے؛ مگر یہ قول کے قائل کی غلطی وجہالت ہے۔ (شرح مسلم: ۱/۸۳۲)

علامہ عبدالحئ حنفی لکھنویؒ (جنہوں نے صرف ۴۰ سال کی عمر پائی اور تقریباً ۸۰ کتابیں تحریر فرمائیں، جن کی علمی صلاحیتوں کو تمام مکاتبِ فکر نے تسلیم کیا ہے) تحریر کرتے ہیں کہ بعض اہل ظاہر سب سے الگ ہوگئے اور کہا کہ اپنے وقت میں نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنے والے پر ضروری نہیں کہ دوسرے وقت میں اس کو ادا کرے۔ (التعلیق الممجد علی مؤطا للامام محمد: ۷۲۱)

غور فرمائیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے بھولنے والے یا سونے والے پر بھی فوت شدہ نماز کی قضاء کو لازم کیا ہے؛ حالانکہ یہ دونوں گناہ گار نہیں ہیں تو جان بوجھ کر قضاء کرنے والے پر بدرجہ اولیٰ نماز قضاء ہونی چاہیے۔ یہ ایسا ہی ہے، جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ (اپنے والدین کو اف نہ کہو) تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب والدین کو (اُف) کہنا بھی جائز نہیں تو ان کو مارنا پیٹنا یا گالی دینا اور بھی برا اور سخت گناہ ہوگا۔ اسی طرح جب بھولنے اور سو جانے پر قضاء لازم کی گئی تو عمداً ترک نماز پر قضاء اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے یا ایک عورت نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا اور اس پر ایک ماہ کے روزے رہ گئے ہیں تو کیا میں ان کی قضاء کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا کرتا؟ اس نے کہا کہ ہاں میں ادا کرتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا قرض زیادہ مستحق ہے کہ اس کی ادائیگی کی جائے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد روزوں کی قضاء کے بارے میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ روزہ اور نماز میں فرض ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں؛ بلکہ قرآن وحدیث میں نماز پڑھنے کی تاکید سب سے زیادہ وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا جب روزے کی قضاء ہے تو نماز کی بھی قضاء ہونی چاہیے۔

نیز پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر رمضان کا روزہ ترک کردے تو اس کی قضاء ضروری ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے استطاعت کے باوجود حج ادا نہیں کیا تو اس کے مرنے پر اس کے وارثین پر لازم ہے کہ وراثت کی تقسیم سے قبل اس کے ترکہ میں سے حج بدل کا انتظام کرے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے قصداً متعدد سالوں سے زکوٰۃ ادا نہیں کی اور اب اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے تو اسے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ۱۴۰۰ ارسال سے جمہور فقہاء وعلماء ومحدثین ومفسرین کی یہی رائے ہے کہ نماز کے فوت ہونے پر اس کی قضاء کرنی ضروری ہے خواہ بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے نماز فوت ہوئی ہو، یا جان بوجھ کر نماز چھوڑی گئی ہو، ایک نماز فوت ہوئی ہو یا ایک سے زیادہ۔ مشہور ومعروف چاروں ائمہ کی بھی حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں یہی رائے ہے۔ بھول جانے یا سو جانے کی صورت میں گناہ گار نہیں ہوگا؛ مگر قضاء کرنی ہوگی اور قصداً نماز ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہوگی۔

جن علماء نے فرمایا ہے کہ قصداً نماز ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے، جیسا کہ سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کا موقف ہے، تو ان کا یہ قول کہ جان بوجھ کر چھوڑی گئی نماز کی قضاء نہیں ہے، کسی حد تک سمجھ میں آتا ہے، اگرچہ قصداً نماز چھوڑنے والے پر کافر ہونے کا فتویٰ لگانا جمہور علماء کے قول کے خلاف ہے؛ مگر وہ حضرات جو جمہور علماء کے قول کے مطابق تارک صلاۃ پر کافر ہونے کا فتویٰ تو صادر نہیں فرماتے؛ مگر قصداً نماز ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے ضروری نہ ہونے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو ان کی یہ رائے جمہور علماء کے قول کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ غیر منطقی اور دلائل کے اعتبار سے باطل بھی ہے، جیسا کہ مشہور ومعروف محدث امام نوویؒ نے تحریر کیا ہے۔ نیز احتیاط کا تقاضی بھی یہی ہے کہ فرض نماز کی قضاء کو واجب قرار دیا جائے؛ تاکہ کل آخرت میں کسی طرح کی کوئی ذلت اٹھانی نہ پڑے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا، اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد)

جب ہم نے یہ تسلیم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نماز فرض کی ہے اور قصداً نماز چھوڑنے والا کافر

نہیں ؛ بلکہ فاسق وفاجر ہے تو قصداً نماز چھوڑنے پر قضاء کے واجب نہ قرار دینے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے زنا کیا یا چوری کی تو اسے اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگنی ہوگی اور اگر اس کا جرم شرعی عدالت میں ثابت ہوجاتا ہے تو اس پر حد بھی جاری ہوگی۔یعنی اسے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ دنیاوی سزا بھی بھگتنی ہوگی۔اسی طرح قصداً نماز چھوڑنے والے کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ نماز کی قضاء بھی کرنی ہوگی۔

غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ہر نماز کو وقت پر ادا کرنا چاہیے، ہاں خدانخواستہ اگر کوئی نماز چھوٹ جائے تو پہلی فرصت میں اس کی قضاء کرنی چاہیے خواہ بھول کی وجہ سے یا سونے کی وجہ سے یا کسی عذر کی وجہ سے نماز فوت ہوئی ہو یا محض لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے نماز ترک ہوئی ہو، ایک نماز فوت ہوئی ہو یا ایک سے زیادہ یا چند سالوں کی۔حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر کئی دنوں تک نماز نہ پڑھے۔خیر القرون میں ایک واقعہ بھی قصداً چند ایام نماز ترک کرنے کا پیش نہیں آیا؛ بلکہ اس زمانہ میں تو منافقین کو بھی نماز چھوڑنے کی ہمت نہیں تھی۔اگر لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے نمازیں ترک ہوئی ہیں تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے اور توبہ واستغفار کا سلسلہ موت تک جاری رکھ کر فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنی چاہیے خواہ وہ فوت شدہ نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرے یا اپنی سہولت کے اعتبار سے ہر نماز کے ساتھ قضاء کرتا رہے۔علماء کرام نے تحریر کیا ہے کہ ایسے شخص کیلئے بہتر ہے کہ وہ نوافل کا اہتمام نہ کرکے فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرے۔یہی ۱۴۰۰ر سالوں سے جمہور فقہاء وعلماء ومحدثین ومفسرین کی حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں رائے ہے اور عصر حاضر میں مشرق سے مغرب تک اکثر وبیشتر علماء کرام کی یہی رائے ہے اور یہی قول احتیاط پر مبنی ہے کہ نمازوں کو چھوڑنے کا سخت گناہ ہے حتی کہ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ زنا کرنے، چوری کرنے اور شراب پینے سے بھی بڑا گناہ نماز کا ترک کرنا ہے۔لہٰذا فوت شدہ نمازوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ ان کی قضاء بھی کرنی چاہیے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں نمازوں کو ان کے اوقات میں پڑھنے والا بنائے اور ایک وقت کی نماز بھی ہماری فوت نہ ہو!

❍❖❍

اسلام کا اخلاقی انقلاب

از: مولانا محمد اللہ خلیلی قاسمی
کوآرڈنیٹر دارالافتاء ویب سائٹ، دارالعلوم دیوبند

معاشرتی و اجتماعی زندگی کے بنانے اور سنوارنے میں اخلاق کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، بلکہ معاشرت کی پہلی اینٹ اخلاقِ حسنہ ہی ہیں۔ حسن اخلاق کے بغیر انسان نہ صرف یہ کہ انسان نہیں رہتا؛ بلکہ درندگی و بہیمیت پر اتر آتا ہے۔ انسانیت کا زیور حسنِ اخلاق ہے؛ لیکن چھٹی صدی عیسوی میں دنیا اخلاقی اعتبار سے کنگال اور دیوالیہ ہو چکی تھی۔ انسانیت وشرافت کی بنیادیں ہل چکی تھیں۔ تہذیب و اخلاق کے ستون اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے۔ تہذیب وتمدن کے گہواروں میں خودسری، بے راہ روی اور خلاقی پستی کا دور دورہ تھا۔ روم وایران اخلاق باختگی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے تھے۔ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی، جو جاہلی معاشرے میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی۔ سودی لین دین، کمزوروں کا استحصال اور اس سلسلے میں بے رحمی وسخت گیری عام تھی۔ بے شرمی و بے حیائی، رہزنی وقزاقی معمولی بات تصور کی جاتی تھی۔ جنگ جوئی اور سفّا کی بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا تھا۔ بے جا انتقام اور تعصب کا شمار قومی خصوصیتوں میں ہوتا تھا۔ ایسے اخلاق سوز اور غیر انسانی ماحول میں اسلام نے جو عمدہ اخلاقی نظام پیش کیا وہ انسانی طبائع کے لیے اکسیر ثابت ہوا اور ان کی وجہ سے تہذیب وثقافت سے بے بہرہ قوم عرب میں ایسے اخلاقی نمونے پیدا ہوئے جن کی نظیر انسانی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

اسلام کا اخلاقی نظام

یوں تو ہر ملک وملت اور عہد وزمانے میں معاشرہ وماحول پر برا اثر ڈالنے والی عادات واطوار کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا گیا ہے؛ بلکہ مذہب اور سماج میں اس کو جرم اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ چوری وڈاکہ، قتل وخوں ریزی، غیبت و بدگوئی، کینہ وحسد، تکبر، حق تلفی وغیرہ افعال وعادات ہر مذہب وسماج میں مذموم ہیں؛ جب کہ وقار وسنجیدگی، خوش کلامی ونرمی، عدل وتواضع، امانت ودیانت وغیرہ ہر معاشرے میں اچھے اخلاق شمار کیے جاتے ہیں؛ لیکن اسلام کے اخلاقی نظام اور دیگر اخلاقی قدروں میں کئی اعتبار سے بہت فرق

پایا جاتا ہے۔اسلام کے علاوہ دیگر نظاموں میں اچھے اور برے اخلاق کا معیار عقل سلیم، پاکیزہ شعور اور تجربہ ہے؛ جب کہ اسلام میں ان سب سے بڑھ کر ایک متعین اتھاریٹی ہے اور وہ ہے اللہ ورسول ﷺ کی اتھاریٹی۔ اچھا اخلاق وہی ہے جسے اللہ ورسول نے اچھا اخلاق قرار دیا ہو اور اسی طرح برے اخلاق وہ ہیں جسے اللہ و رسول برا کہیں۔اسلام میں اچھے اور برے اخلاق کا مسئلہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے، وہ کسی انسانی عقل یا تجربہ کا محتاج نہیں۔اسلام نے کسی طرز عمل کو اچھا یا برا اس لیے نہیں کہا کہ اسے لوگ ایسا ہی کہتے اور سمجھتے چلے آئے ہیں؛ بلکہ خود اسے اپنے اصولوں کی بنیاد پر اچھا یا برا کہا ہے۔اسلامی اخلاقیات چوں کہ مستقل بنیادوں پر قائم ہیں؛ اس لیے وہ نا قابلِ تغیر اور مستقل ہیں۔

اسلام کا اخلاقی نظام مختلف دائروں میں تقسیم ہے اور اس کی ابتداء انسان کی انفرادی زندگی سے ہوتی ہے۔ معاشرہ کے ایک فرد کے بہ طور ایک انسان کی اخلاقی ذمہ داری کیا ہے، اسے اسلام نے اپنی جامع اخلاقی تعلیمات میں سمیٹ دیا ہے۔جھوٹ و بہتان طرازی، کبر ونخوت، ظلم وستم، بدسلوکی و بے رحمی، فریب و دھوکہ دہی، شراب نوشی و جوابازی، زناکاری و بے حیائی، جنگ و جدال وغیرہ امور کو برائی قرار دیا گیا؛ جب کہ اس کے بالمقابل عمدہ اخلاق کی ہمت افزائی کی گئی۔انفرادی دائرہ کے بعد گھریلو سطح پر والدین کے ساتھ حسن سلوک وخدمت گزاری کی تعلیم دی گئی۔ بھائی بہنوں اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان وصلہ رحمی، بیوی بچوں کے ساتھ محبت وشفقت کی تعلیم دی گئی۔ پھر گھریلو سطح سے اٹھ کر معاشرتی سطح پر پڑوسیوں ساتھ اچھا برتاؤ اور لوگوں کے ساتھ انسانی سلوک اور احترام کا درس دیا گیا۔تمام مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور تمام انسانوں کے ساتھ ہر حال میں عدل وانصاف، رواداری اور مساوات کا برتاؤ۔اسلام کے نظامِ اخلاق کا حاصل یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر مرحلہ میں اعلی کردار کو اپنایا جائے۔اسلام نے باہمی معاملات کو مطلب پرستی اور خود غرضی نہیں؛ بلکہ ہمدردی وخیر خواہی کے جذبہ سے انجام دینے کی تعلیم دی۔اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی روح ہمدردی و خیر خواہی، عدل و انصاف اور مساوات و احترامِ نفس ہے۔اسلام کی خصوصیت یہ ہے اس نے یہ اعلی اخلاقی اصول وضع کیے اور معاشرے میں اسے صدفی صد لاگو کر کے دکھا بھی دیا۔اس سلسلے میں اسلام کی آواز اتنی مو؟ ثر تھی کہ محض قرآن کے اس اعلان سے کہ شراب گندگی اور شیطانی عمل ہے۔(سوالمائدہ:۹۰) مدینہ میں گلیوں میں شراب بہنے لگی؛ حالاں کہ نشہ چھڑانا اور وہ بھی شراب کا کتنا

مشکل ہے۔آج ساری دنیا اس بارے میں پریشان ہے کہ قوم سے نشے کی لت کیسے ختم کی جائے،مگر اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ قرآن نے اسے جڑ سے ختم کردیا۔رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ کی پوری زندگی اسلام کے اسی انقلاب آفریں اخلاقی نظام کا آئینہ ہے۔

نبی ﷺ کے اعلیٰ ترین اخلاق

نبی اکرم ﷺ نے تاریخ انسانی کے سب سے اعلیٰ اخلاقی معیار قائم کیے۔آپ ﷺ کی صدق گوئی اور سچائی کا یہ عالم تھا کہ کفار مکہ کے سردار ابوسفیان کو ہرقل کے دربار میں اس کے اس سوال پر کہ کیا تم نے کبھی محمد سے کچھ جھوٹ سنا ہے، یہ گواہی دینی پڑی کہ نہیں۔(بخاری) آپ ﷺ کی امانت و دیانت کا یہ حال کہ پورا مکہ آپ کا دشمن،آپ کی دعوت سے ان کو انکار؛لیکن امانتوں کے لیے اگر کوئی محفوظ جگہ تھی جو اسی نبی ہاشمی ﷺ کا مکان۔آپ ﷺ کے صبر وتحمل کی انتہا یہ تھی کہ طائف کی خوں چکاں شام اور آپ کا لہولہان جسم،ایسا دن جس کے بارے میں آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ وہ میری زندگی کا سخت ترین دن تھا، اس دن جب پہاڑوں کا فرشتہ اللہ کے حکم سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کرتا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو طائف کے دونوں پہاڑوں کو ٹکرادوں اور یہ گستاخ قوم پس جائے،اس وقت رحمۃ للعالمین کا جواب تھا کہ نہیں، میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ وہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا فرمائیں گے جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔(بخاری) اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جس عفو و درگذر اور تواضع و شفقت کا ثبوت دیا،کیا اس کی نظیر کسی تاریخ میں ملنی ممکن ہے؟

غرض آپ ﷺ کی پوری زندگی اعلیٰ ترین اخلاق و اوصاف کا ایسا نمونہ ہے کہ اس سے بہتر نمونہ پیش نہیں کیا جاسکتا اور ایسا جامع اخلاقی دستور العمل کہ اس سے بہتر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔نبی اکرم ﷺ کے عمدہ اخلاق کا فیضان تھا کہ آپ کی دعوت نہایت تیزی کے ساتھ عربوں میں پھیلتی چلی گئی۔آپ اپنے بلند انسانی کردار سے دشمن کے دل کو فتح کر لیتے اور اس کی روح کو اسیر کر لیتے۔صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک مہم کے دوران صحابہ نے یمامہ کے سردار ثُمامہ ابن اُثال کو زندہ پکڑ لیا اور خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔آپ نے ان کا حال پوچھا تو انھوں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو قتل کردیں،اگر آپ معاف کردیں تو آپ کا احسان مند ہوں گا اور اگر مال کی خواہش ہے تو وہ بھی پیش کردوں گا۔آپ ﷺ نے ان کو بالآخر رہا کردیا؛ جب کہ دشمنوں کے

سردار کو رہا کرنے کا تصور بڑا ہی عجیب تھا؛ مگر ہوتا کیا ہے کہ وہی شخص جس کو آپ قید سے نکال رہے ہیں، وہ بخوشی آپ کی غلامی میں آرہا ہے؛ چناں چہ ثمامہ ایک قریبی باغ میں جا کر غسل کرنے کے بعد دوبارہ واپس آتے ہیں اور اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی ایسے بے شمار واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اخلاق وانسانیت کے مکمل پیکر

اسلام کی معجزاتی تاثیر نے ہی اخلاق واقدار سے بیگانہ عرب قوم کو تہذیب اور اعلی اخلاق کا آئیڈیل بنا دیا۔ درس گاہِ قرآنی کے اولین فضلاء یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دین واخلاق اور سیاست وقوت کے مکمل پیکر تھے۔ ان میں انسانیت کی اپنے تمام گوشوں، شعبوں اور محاسن کے ساتھ نمود تھی۔ ان کی اعلی روحانی تربیت، بے مثال اعتدال، غیر معمولی جامعیت اور وسیع عقل کی بنا پر ان کیلئے ممکن ہوا کہ وہ انسانی گروہ کی بہتر طور پر اخلاقی اور روحانی قیادت کر سکیں۔ ان کے اعلی اخلاقی نمونے معیار کا کام دیتے تھے اور ان کی اخلاقی تعلیمات عام زندگی اور نظامِ حکومت کیلئے میزان کا درجہ رکھتی تھیں۔ ان میں فرد و جماعت کا تعلق حیرت انگیز طور پر روادارانہ اور برادرانہ تھا۔ وہ ایک معیاری دور تھا، جس میں عدل وانصاف، صدق وسادگی، خلوص ووفا اور محبت والفت کی خوشگوار ہوائیں چلتی تھیں۔ اس سے زیادہ ترقی یافتہ دور کا انسان خواب نہیں دیکھ سکتا اور اس سے زیادہ مبارک وپر بہار زمانہ فرض نہیں کیا جا سکتا۔

مدینہ کی ابتدائی زندگی میں مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان قائم ہونے والی 'مواخاۃ' (بھائی چارہ) اخلاق وایثار کیلئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بھائی چارہ کے ذریعہ ایک ایسے معاشرہ کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد میں اخلاق ومحبت، ایثار و ہمدردی اور مساوات کا خمیر شامل تھا۔ اس صالح معاشرہ کی ٹکسال سے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی وہ جماعت تیار ہوئی جو رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں کیلئے اعلی ترین اخلاقی نمونے چھوڑ گئی۔ نمونہ کے طور پر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کچھ واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

حلم اور تواضع اخلاق کا اعلی درجہ ہے؛ جب کہ حق گوئی اخلاقی جرأت کا تقاضہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ میں دونوں چیزیں اعلی درجہ کی پائی جاتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جبکہ آپ کی حکومت ملکِ عرب سے نکل شام ومصر اور عراق وایران تک پھیل چکی تھی، بھرے مجمع میں فرماتے ہیں: اگر مجھ میں کوئی غلطی دیکھو گے تو کیا کرو گے؟ مجمع میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: بخدا اگر تمہارے اندر

کوئی کجی پائیں گے تو تلوار سے اس کو درست کردیں گے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے اس شخص کے اس جملہ پر ارشاد فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگوں ہیں جو عمر کی کجی کو تلوار سے درست کردیں گے۔

اطاعت و فرماں برداری اور خلوص و بے نفسی کی عظیم ترین مثال حضرت خالد بن ولید ؓ کے واقعہ میں ملتی ہے۔ آپ بے حد بہادر اور غیر معمولی فوجی قابلیت والے شخص تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے حضرت ابو بکر ؓ کی خلافت تک مسلسل اسلامی فوج کے کمانڈر رہے؛ لیکن حضرت عمر ؓ کو ان کے سلسلے میں کچھ شکایتیں تھیں؛ اس لیے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت خالد ؓ کو سرداری سے معزول کرکے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت دے دی۔ اس وقت وہ شام کے علاقہ میں فتوحات کے شاندار کارنامے دکھا رہے تھے۔ عین یرموک کی لڑائی میں جسے تقریباً حضرت خالد ؓ اپنی سربراہی میں سر کر چکے تھے، اسی وقت خلیفہ وقت نے انھیں معزول کرکے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ؓ کو لشکر اسلامی کا سردار بنا دیا۔ فتح یرموک کے بعد فوجیوں کی ایک تعداد آپ کے پاس جمع ہوئی اور اس حکم کی مخالفت کی بات کی؛ لیکن انھوں نے ایسے ہر مشورہ کو ماننے سے قطعی انکار کردیا اور حضرت ابو عبیدہ ؓ کی ماتحتی میں ایک معمولی فوجی کی حیثیت سے لڑنے کو ترجیح دی اور ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: ''اِنِّیْ لاَ أُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ عُمَرَ وَلٰکِنْ فِیْ سَبِیْلِ رَبِّ عُمَرَ'' میں عمر کی راہ میں جنگ نہیں لڑتا؛ بلکہ عمر کے رب کی راہ میں لڑتا ہوں۔

اموی حکومت کے بانی حضرت معاویہ ؓ اور رومی حکومت کے درمیان ایک میعادی معاہدہ تھا۔ حضرت معاویہ ؓ اپنی فوج لے کر دشمنوں کی سرحد سے قریب اس نیت سے پہنچ گئے کہ معاہدہ کی مدت پوری ہوتے ہی ان پر اچانک حملہ بول دیں گے۔ اس صورت میں اچانک حملہ کے مقابلہ میں دشمن تیار نہ ہوگا اور یقینی طور پر شکست کھا جائے گا۔ ابھی حضرت معاویہ ؓ سرحد پر پہنچے ہی تھے کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ظاہر ہوا اور زور زور سے کہنے لگا: ''اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، وفاءٌ لا غَدَرَ'' (اللہ اکبر، وعدہ کی پاس داری کرو، اسے توڑو نہیں) لوگوں نے دیکھا کہ یہ صحابی رسول حضرت عمرو ؓ بن عنبسہ تھے۔ حضرت معاویہ ؓ نے انہیں اپنے خیمہ میں بلایا اور مطلب پوچھا، تو انھوں نے حدیث رسول ﷺ بیان کی کہ جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ اس کی کوئی گرہ باندھے اور نہ کوئی کھولے؛ یہاں تک کہ مدت پوری ہوجائے۔ حضرت معاویہ ؓ اس حدیث کو سن کر اپنے اقدام سے باز آ گئے اور اپنی فوجوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

احد کی لڑائی میں عین اس وقت جب کہ قتل وخون کا معرکہ گرم تھا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار ہاتھ میں لی اور فرمایا کون اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے گا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور پوچھا: یارسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے دشمنوں کو مارو یہاں تک کہ اس کو ٹیڑھا کر دو۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں اور آپ ﷺ نے ان کو تلوار عنایت فرمادی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اس تلوار کو لے کر اکڑتے ہوئے میدان میں کود پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی چال خدا کو پسند نہیں سوائے ایسے موقعوں کے۔ پھر کیا تھا وہ انتہائی بہادری کے ساتھ لڑنے لگے، جو بھی ان کے سامنے آتا، وہ ان کی تلوار کا نشانہ بن جاتا۔ اسی درمیان اچانک کیا ہوتا ہے کہ ان کی نظر ایک شخص پر پڑتی ہے جو لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا۔ وہ اس کی طرف لپکے اور اپنی تلوار اس کے سر پر اٹھالی، اتنے میں وہ چیخا یَا وَیْلاہ۔ تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ یہ کوئی عورت (ہند بن عتبہ زوجہ ابو سفیان) ہے۔ یہ ذہن میں آتے ہی انھوں نے تلوار ہٹالی۔ جذبات پر قابو پانے اور انتہائی جذباتی حالات میں بھی نفسانی فیصلہ نہ کرنے کی یہ عمدہ ترین مثال ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۶/۲)

دنیا سے بیزاری اور آخرت سے محبت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اس قدر پیوست تھی کہ وہ دنیا کے مال و اسباب کو اللہ کے راستے میں بے خطر لٹا دیا کرتے تھے اور یہ پورا پورا اثاثہ اللہ کے راستے میں دینا ان کے نزدیک معمولی چیز تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ کو قرض حسن دے گا، اللہ تعالی اس کے اجر کو بڑھا دیں گے۔ حضرت ابو دحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا اللہ واقعی ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انھوں نے کہا: یارسول اللہ! اپنا ہاتھ لائیے۔ آپ نے ہاتھ دیا، تو انھوں نے عرض کیا: میں اپنے باغ کو اللہ کو قرض دیا۔ ان کے باغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے۔ پھر اپنے باغ میں آئے اور اپنی بیوی کو بتایا کہ میں نے اللہ کو اپنا باغ قرض دے دیا ہے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ آپ کی تجارت سودمند رہی؛ چناں چہ انھوں نے اپنا سامان وہاں سے خالی کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

جنگ یرموک میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایثار و ہمدردی بھی ایک مشہور واقعہ ہے جس میں میدان جنگ میں جاں بلب ایک صحابی کو پانی پیش کیا جاتا ہے، اتنے میں انہیں قریب سے کراہنے کی آواز آتی ہے،

وہ انہیں پانی پیش کرنے کو کہتے ہیں۔ پانی پلانے والا ان کے پاس پہنچتا ہے کہ انہیں بھی کسی کے کراہنے کی آواز آتی ہے وہ بھی پہلے انہیں پانی پلانے کو کہتے ہیں۔ جب پانی پلانے والا ان کے پاس پہنچتا ہے تب تک ان کی سانس بند ہو چکی ہوتی ہے اور جب لوٹ کر پچھلے صحابہ کے پاس پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بھی روح قبض ہوگئی۔

حضراتِ صحابہ ﷺ کی زندگی ایسے واقعات سے لبریز ہے، جس میں ہمیں نہایت اعلی درجہ کے اخلاقی نمونے ملیں گے۔ اسلام نے اخلاقی تعلیمات کا ایسا جامع نظامِ عمل مرتب کیا اور صحابہ نے اس کو اپنی زندگی میں اس طرح نافذ کیا کہ جس نے انسانی معاشرے میں اخلاقی قدروں میں انقلاب برپا کردیا۔ اسلام کی یہی اخلاقی تعلیمات بعد کے زمانے میں بھی اسلام کی اشاعت میں زبردست طور پر مؤثر ہوئیں۔ کتنے ہی ممالک اور علاقے ایسے ہیں جہاں کسی مسلم فوج کشی کی کوئی تاریخ نہیں، مگر پورا کا پورا علاقہ اسلام کے نام لیواؤں سے بھرا ہوا ہے۔ آج دنیا میں سب سے بڑی مسلم آبادی والا ملک انڈونیشیا اور ملیشیا میں اسلام کے نام لیواؤں کا وجود، نیز یورپ، امریکہ وآسٹریلیا وغیرہ میں اسلام کی روز بروز ترقی دراصل اسلام کی انقلابی اخلاقی تعلیمات کا ہی کرشمہ ہے۔ اسلام کے نظامِ اخلاق کے بدولت کتنے دلوں کی کایا پلٹی اور کتنے ہی علاقوں میں اسلام کا بول بالا ہوا؛ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں جو چند ظاہری اسباب ہیں، ان میں اسلام کا نظامِ اخلاق ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ❍❖❍

بقیہ: سیرتِ نبوی ﷺ میں سادگی کے نقوش

آپ ﷺ کے زہد وسادگی کے بے شمار واقعات کتب حدیث وسیر میں مذکور ہیں، یہ تو سیرت نبویہ ﷺ کی چند جھلکیاں ہیں۔ آپ کی مکمل زندگی ہی سادگی سے عبارت ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت مطہرہ کے ان تابناک پہلوؤں کو اپنے لیے راہِ عمل کے طور پر متعین کریں، اپنی نجی وخانگی زندگی میں اپنائیں، اس طرح زندگی میں صالحیت آئیگی، اور معاشرہ پر بھی صالح اثرات مرتب ہوں گے، نیز ہم اس خام خیالی میں نہ رہیں کہ سیرت کے چند جلسوں اور چند تقاریر ومضامین سے سیرت کا مقصود حاصل ہوجائے گا؛ بلکہ اس کیلئے مستقل جدوجہد اور عملی مشق کی ضرورت ہے، اور معمولاتِ نبی ﷺ کو اپنانے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق نصیب فرمائے! آمین۔ ❍❖❍

نوجوانوں کو منشیات کے دلدل میں پھنسنے سے بچائیں

مولانا نثار احمد حصیر قاسمی، صدر شعبۂ عربی زبان وادب، دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد

اللہ تعالیٰ نے نسانوں کو جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی نعمت عقل ہے، انسان کے مکلّف ہونے کا مدار اسی پر ہے، اسی کو قرآن وحدیث میں مخاطب بنایا گیا اور ہدایتیں دی گئی ہیں، عقل ودانش کی بنیاد پر ہی انسان دوسری مخلوقات سے ممتاز ہوتا، اور اسی کی وجہ سے اس کی تکریم کی گئی اور اسے زمین میں خلافت کا اعزاز بخشا گیا ہے، اسی عقل کے سہارے انسان خود کو ترقی دیتا اور ہر چیز کا علم حاصل کرتا ہے، شریعت اسلامیہ نے سارے اوامر ونواہی کا دار ومدار اسی پر رکھا اور اسے انسان کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے، اسی لئے شریعت نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری انسانوں پر ڈالی ہے اور اسے مامور کیا ہے کہ وہ اسے زائل کرنے والی چیزوں سے بچائے، اسی عقل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فوقیت دی اور اسے اعلیٰ وبرتر مخلوق قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''**ولقد کرمنا بنی آدم**'' ہم نے اولاد آدم کو اعزاز بخشا، عقل ہی کے ذریعہ انسان خیر وشر کے درمیان تمیز کرتا اور نفع ونقصان کو بخوبی پہچانتا ہے، اسی کے ذریعہ وہ شریعت کے اوامر کو سمجھتا اور شارع کے خطاب کا ادراک کرتا ہے، اسی کے ذریعہ وہ دوسروں سے مخاطب ہوتا، اس کی باتوں کو سنتا سمجھتا اور کرتا اور دنیا وآخرت کو سنوارنے کیلئے جدوجہد کرتا ہے، مگر جب انسان اپنی نادانیوں، غلط کاریوں اور بے جا تصرفات کے ذریعہ اس عقل کو ضائع کردیتا ہے تو اس کے اور چوپائے جانوروں کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا ہے، بلکہ انسان ان جانوروں سے بدتر وگھٹیا ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**اولئک کالانعام بل هم اضل**'' (الاعراف، ۱۷۹) یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ انسان بلاشبہ عقل کھودینے کے بعد جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے، کہ جانوروں سے تو فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے مگر ایسے بے عقل انسان سے فائدہ اٹھانا اور استفادہ کرنا ممکن نہیں رہتا، وہ دوسروں پر بوجھ بن جاتا اور بسا اوقات افراد خانہ خاندان اور سوسائٹی کیلئے کلنک کا ٹیکہ بن جاتا ہے، اس کے شر سے لوگ خوف زدہ وڈرتے رہتے ہیں، ان سے خیر کی امید معدوم ہوجاتی ہے، اس زندہ حقیقت کے باوجود بہت سے انسان بلکہ دین وایمان کا نام لینے والے مسلمان بھی اپنی اس نعمت عظمیٰ کو کھلے بندوں زائل کرنے کے حریص ہوتے ہیں، وہ اپنے آپ کو ذلت واہانت کے دلدل میں ڈالنے میں جھجھک محسوس نہیں کرتے وہ اپنی عقل کو

زائل کر کے نہ صرف شریعت اسلامیہ اور فطرت انسانی کی خلاف ورزی کرتے بلکہ اپنے عقل کے تقاضوں کے بھی منافی سلوک کے مرتکب ہوتے ہیں، آج ہم اپنے گرد وپیش اور سوسائٹی میں بہتوں کو شراب نوشی اور منشیات کا خوگر پاتے ہیں، وہ بڑی دلیری سے اس کا استعمال کرتے، اور مذہبی پاسداری کو نیلام کرتے ہیں، اس وقت مسلم معاشرہ کی جو خرابیاں یا مصیبتیں ہیں ان میں سے ایک بڑی آفت شراب نوشی اور منشیات کی لت ہے، جبکہ ہر کوئی جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ ام الخبائث اور ساری برائیوں کی جڑ ہے، اس کا استعمال کبیرہ گناہ ہے، یہ ہر شر ور فتن اور مصائب ومشکلات کی بنیاد ہے کہ اس کے استعمال کے بعد انسان انسانیت کا لباس اتار پھینکتا اور حیوانیت اختیار کر لیتا ہے، پھر اسے آبرو ریزی کرنے، دوسروں کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرنے، چوری ڈکیتی کرنے، قتل وغارت گری مچانے، گالی گلوج کرنے، بہتان باندھنے، الزام تراشی کرنے اور بسا اوقات خودکشی کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا، شراب نوشی ومنشیات کے استعمال نے ہمارے سماج میں بڑی لعنتیں پیدا کی، بڑی برائیوں کو عام کیا اور بے حیائی وبے شرمی اور بدکاریوں کو پھیلایا ہے، زمانۂ جاہلیت میں بھی جب کہ شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا جاتا تھا عقل ودانش رکھنے والے اسے برا سمجھتے اور اس سے پرہیز کرتے تھے، آج بھی دنیا کے ہوشمند ودانا لوگ اس کی مذمت کرتے اور اس سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی تلقین کرتے ہیں، اس کی اس برائی اور خلاف فطرت ہونے کی وجہ سے اسلام نے نہ صرف اسے حرام کیا اور اس پر لعنت بھیجی ہے، بلکہ اس کے پینے والے، اسے بنانے والے، اسے رکھنے اور اٹھانے والے، لینے اور دینے والے اور اس میں تعاون کرنے والوں پر لعنت بھیجی اور ان سب کے عمل کو حرام وممنوع قرار دیا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**یاایھا الذین آمنوا انما الخمر – فھل انتم منتھون** '' اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی اور شیطانی کام ہے، ان سے الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں عداوت اور بغض ڈالے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے تو اب بھی باز آجاؤ۔ (المائدۃ ۹۰-۹۱)

جس شراب کو حرام کیا گیا ہے وہ ہر ایسی چیز ہے جو عقل کو ڈھک لے خواہ اس کا نام کچھ بھی دیا جائے یا اس کی نوعیت کچھ بھی ہو اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''**کل مسکر خمر، وکل خمر حرام**'' (مسلم) ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے، صحیحین کی روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

''**کل شراب اسکر فھو حرام** '' ہر مشروب جو نشہ پیدا کرتا ہو حرام ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**کل مسکر حرام، إن الله عهد من يشرب المسكر أن يسقيه من طينة الخبال** '' (مسلم) ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے عہد کر رکھا ہے کہ جو نشہ آور چیز استعمال کرے گا اسے خبال مٹی پلائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ''**طينة الخبال** '' کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنمیوں کا پسینہ، یا جہنمیوں کا نچوڑ۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام، ومن شرب الخمر في الدنيا فمات وهو يدمنها لم يتب، لم يشربها في الآخرة** '' (بخاری و مسلم) ہر نشہ آور چیز شراب ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور جس نے دنیا میں شراب پیا اور توبہ کئے بغیر اس حال میں مرا کہ وہ شراب پیتا تھا، وہ آخرت میں (آخرت کی شراب طہور) نہیں پی سکے گا۔

ہر طرح کے منشیات خواہ وہ سیال ہوں یا غیر سیال، شراب کی صورت میں ہوں یا بھنگ، افیون، ہیروئن یا کسی اور شکل میں بدترین چیزیں اور شراب سے زیادہ مہلک ہیں، یہ عقل کو بگاڑتی، جسم انسانی کو تباہ و برباد کر دیتی، مال کو ضائع کرتی، غیرت وحمیت کو فنا کرتی، بے حیائی و بے شرمی پیدا کرتی اور ہر طرح کی برائیوں کو وجود بخشتی ہیں، یہ ساری چیز اور شراب نشہ پیدا کرنے میں تو یکساں ہیں، مگر ان اشیاء کی ستم ظریفی یہ ہے کہ جسمانی ونفسیاتی اور ذہنی وفکری نقصانات اس کے شراب سے بھی زیادہ ہیں، سارے اہل علم کا اتفاق ہے اور مسلم وغیر مسلم سارے دانشور اس بات کے قائل ہیں کہ یہ سارے منشیات جسم انسانی کیلئے نہایت مضر ہیں، جس کے نقصانات فرد تک محدود نہیں رہتے بلکہ پورے سماج پر اس کا اثر پڑتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کے ممالک اس کے روک تھام کیلئے آواز بلند کر رہے ہیں سب کے سب اس کے سدباب کیلئے عہد و پیاں کر رہے اور قوانین وضع کر رہے ہیں کیونکہ اس کے نقصانات اور سماج پر پڑنے والے اس کے بُرے اثرات کا انہیں احساس ہو گیا ہے، بعض محققین نے تو یہاں تک کہا ہے کہ منشیات کا خطرہ اور اس کی تباہ کن اثر انگیزی ان جنگوں سے بھی زیادہ بھیانک وتباہ کن ہے جن جنگوں میں ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے، تہذیبیں غارت ہو جاتی ہیں، صلاحیتیں فنا ہو جاتی ہیں، وسائل کا خاتمہ ہو جاتا اور قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

شراب اور دیگر منشیات کا استعمال نہ صرف دین وایمان کی بربادی ہے، بلکہ یہ دنیا کو بھی برباد کر دیتی

اور جسم انسانی کو بھی تباہ کر دیتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**ولا یشرب الخمر حین یشربها وهو مؤمن**'' (متفق علیہ) شرابی جس وقت شراب پیتا ہے وہ مومن رہکر شراب نہیں پیتا ہے، یعنی جب وہ شراب پیتا ہے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس کے اتنے نقصانات اور واضح مضرتوں کے باوجود اس میں کمی آنے کی بجائے اس میں اضافہ کیوں دیکھنے کو مل رہا ہے، یہ وباء اتنی تیزی سے کیوں پھیل رہا، اور نئی نسل کو اپنا شکار بنا رہا ہے، تو اس کی بنیادی وجہ ایمان کی کمزوری، مذہبی رکاوٹوں کی قلت اور معلومات کی کمی ہے دین کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اندر وہ خشیت کا مادہ ہی نہیں پایا جا رہا یا وہ شعور ہی موجود نہیں ہے جو اس عادت بد سے روک سکے، ایک وجہ روحانیت کی کمی اور نفسیاتی و ذہنی بحرانی کیفیت کا پایا جانا ہے، اور اس روحانیت کے فقدان اور ذہنی ونفسیاتی بحران کی وجہ کثرت معاصی لہوولعب کے ذرائع اور غفلت میں ڈالنے والے وسائل ہیں، ہماری معصیتوں اور لہوولعب سے دلچسپیوں اور غفلت پیدا کرنے والے وسائل اور دور حاضر کی ایجادات اور اس پر پیش کئے جانے والے مناظر نے ہمیں اللہ کے بتائے ہوئے راستہ سے دور کر دیا، اسلام کی تعلیمات سے اندھا بنا دیا، اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات سے ہمارا رخ پھیر دیا ہے، اور اس کا نتیجہ ہے کہ اب ہمارے اوپر ممنوعات ومحرمات کا استعمال آسان ہو گیا ہے، ہر طرح کے جرائم کا ارتکاب سہل ہو گیا اور اللہ سے خوف میں کمی آ گئی ہے، شاید ان محرمات کے استعمال کے وقت ان کے سامنے نہ آخرت کا عذاب ہوتا ہے اور نہ دنیا کا عتاب اور جب انسان کے پاس ان تباہ کن چیزوں سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو اور نہ اس کے پاس کوئی سچا دین ومذہب ہو جو انہیں ان چیزوں کے استعمال سے انہیں بچائے، اور جب انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو نہ عقل کچھ فائدہ پہنچاتا اور نہ سرزنش سے باز رکھتی ہے اس کے علاوہ اس کے اسباب میں سے اہم سبب بے کاری وبے روزگاری بھی ہے، اور عام طور پر وہی نوجوان یا وہی اسکول وکالج اور یونیورسیٹیز کے طلبہ اس کے عادی بنتے ہیں جو بے کار ہوتے یا پڑھائی کی بجائے بیکاری میں اپنا وقت گذارتے ہیں، یہی ان منشیات کی بڑی منڈی ہوتے ہیں، جن میں ان منشیات کو پھیلایا اور سپلائی کیا جاتا ہے، یہ نوجوان طلبہ وطالبات بُری صحبتوں کے عادی ہو جاتے ہیں، پھر تو ان کیلئے ساری برائیاں آسان ہو جاتی ہیں، بے حیائی، بدکاری ہی کھلے عام نہ ہوتے بلکہ قتل وغارت گری بھی ہونے لگتی ہے، اور اپنی لت کو پورا کرنے کیلئے وہ چوری ڈکیتی اغوا

کا سہارا لینے لگتے کار اور بائیک اڑانے لگتے اور گھروں میں ڈاکہ ڈالنے لگتے ہیں، ان کی ان گندی حرکتوں اور برائیوں کو شیطان ان کی نگاہ میں خوبیاں بنا کر پیش کرتا جسے وہ بڑے فخر سے بیان بھی کرتے اور اس پر شاداں وفرحاں نظر آتے ہیں، وہ حقیقت سے منہ موڑے ہوتے اور ان کی نگاہوں پر دبیز پردے لٹک جاتے ہیں جس کے بعد خوبیوں اور صاف ستھری زندگی کی طرف ان کی واپسی دشوار ہوجاتی ہے وہ سماج کیلئے بدنما داغ اور خاندان ووالدین کے لئے رسوائی کا سامان بن جاتے ہیں، اس صورتحال کو بڑھاوا دینے اور منشیات کے فروغ میں دور حاضر کے ذرائع ابلاغ، سماجی رابطے کے وسائل اور انٹرنیٹ کے اخلاق سوز سائٹس کا بڑا اہم رول رہا ہے، یہ وسائل ایسے پروگرام کسی روک ٹوک کے پیش کرتے ہیں جس میں شراب نوشی اور منشیات کے استعمال کو فاخرانہ اور حسین شکل میں پیش کیا جاتا ہے جیسے یہی انسانی کلچر فطری تقاضہ اور ترقی یافتہ سماج کی خصوصیت ہو، جبکہ یہ انسانیت کو تباہ کرنے والی، تہذیبوں کو ملیامیٹ کرنے والی اور انسانوں کو حیوان بنانے والی ہے۔

مسلم سماج کے اندر اس کا پھیلاؤ بلاشبہ تکلیف دہ ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے خلاف ہر سطح پر آواز بلند کی جائے اس کے نقصانات کو واضح کیا جائے اور مسلمانوں میں اس تعلق سے شعور بیدار کیا جائے، یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب کی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے کیونکہ بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں کے مسلمانوں کا رہن سہن غیر مسلموں کے ساتھ ہے ان کے عادات واطوار انہی جیسے ہیں، انہیں نہیں معلوم کہ ان کے مذہب میں کس کی اجازت ہے اور کس کی نہیں، وہ لاعلمی میں ان چیزوں کے عادی ہوگئے اور اپنے غیر مسلم دوست واحباب اور پڑوسیوں کے ساتھ رہکر ان کے عادات واطوار کو اپنالیا ہے، علماء اسلام اور داعیان دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلم نوجوانوں کو اس سے بچانے کیلئے شعور بیدار کرنے کا پروگرام ترتیب دیں، ان میں ایمان باللہ پیدا کریں ان میں خوف خدا اجاگر کریں، اور انہیں سیدھے راستے پر لانے کی تدبیر کریں، کسی بھی بُرائی سے روکنے والی سب بڑی چیز ایمان اور مذہب ہے، جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں انہیں اگر تفہیمی انداز میں بتایا جائے کہ اس دین وایمان کے تقاضے کیا ہیں تو ممکن ہے کہ دل میں بات اتر جائے، بھلائی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا اپنے حدود میں رہتے ہوئے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہم اس ذمہ داری کو نبھائیں اور اس پر خاموشی اختیار کئے نہ رہیں۔ ❍❖❍

قضائے حاجت کا اسلامی طریقہ؛ حکمتیں اور مصلحتیں

از: مولانا محمد تبریز عالم قاسمی، استاذ دار العلوم حیدر آباد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ '' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثیوں سے۔ (مسلم، رقم: ۵۷۳- ترمذی، رقم: ۶۰۶)

تشریح: قضائے حاجت انسان کی بشری ضرورت ہے، یہ ضرورت کیسے پوری کی جائے، اسلام میں اِس کی مکمل رہنمائی موجود ہے، امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں تقریباً پچیس ابواب منعقد فرمائے ہیں اور اِن سب میں آداب خلاء یعنی پیشاب و پاخانہ کے طور طریقے بیان کیے ہیں، ہماری شریعت کتنی جامع اور مکمل ہے کہ اِس میں استنجاء جیسی معمولی چیز کیلئے بھی تفصیل سے آداب ہیں اور اِسی لیے اسلام کو دین فطرت بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (بعض مشرکین کی طرف سے استہزاء اور طنز کے طور پر) اُن سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر نے تم لوگوں کو ساری باتیں سکھائی ہیں؛ یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: ہاں، ہاں! بے شک انہوں نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ پاخانہ و پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں یا یہ کہ ہم کسی چوپائے کے گوبر اور لید یا ہڈی سے استنجاء کریں۔ (مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۲)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی قابل استہزاء بات نہیں ہے؛ بلکہ یہ اِس مذہب کی جامعیت کی دلیل ہے، اور بلا شبہ وہ خاص وقت ایسا ہوتا ہے کہ اُس وقت اللہ کا نام لینا اور اُس سے دعا کرنا بے ادبی کی بات ہوگی؛ اِس لیے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب کوئی بندہ قضائے حاجت کو جائے تو مشغول ہونے سے پہلے مذکورہ دعا پڑھے۔

چند مسائل

- بیت الخلاء جاتے وقت اور نکلتے وقت حدیثوں میں جو دعائیں آئی ہیں، وہ باہر پڑھ کر بیت الخلاء میں جانا چاہیے اور بعد کی دعا باہر نکل کر پڑھنی چاہیے اور کھلی جگہ، مثلاً: جنگل وغیرہ میں قضائے حاجت کیلئے جائیں تو ستر کھولنے سے پہلے اور ستر ڈھانکنے کے بعد پڑھنی چاہئیں۔

● اگر کوئی شخص باہر دعا پڑھنا بھول جائے اور اندر جانے کے بعد یاد آئے تو اگر بیت الخلاء صاف ستھرا ہے، جیسے فلش: جہاں بالفعل گندگی نہیں ہوتی تو وہ جنگل کے حکم میں ہے، ستر کھولنے سے پہلے دعا پڑھ سکتا ہے اور بعد کی دعا باہر نکل کر پڑھنی چاہیے؛ کیوں کہ استنجے کے بعد بیت الخلاء میں بدبو ہوگی۔

● اگر بیت الخلاء میں بالفعل گندگی ہو یا صفائی نہ ہونے کی وجہ سے بدبو ہو تو دعا دل میں پڑھے، زبان سے نہ پڑھے؛ کیونکہ گندگی اور بدبو کے قریب اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے۔

● ایسا واش روم جس میں کموڈ، واش بیسن اور غسل ٹب ایک جگہ پر ہوں تو یہ بیت الخلاء کے حکم میں ہے ایسے واش روم میں داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھنی چاہیے اور قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اگر وضو کرنا ہے تو وضو کی ابتداء اور درمیان کی دعائیں دل میں پڑھیں، زبان سے کچھ نہ پڑھیں اور باہر نکل کر بیت الخلاء سے نکلنے اور وضو کے بعد کی دعائیں پڑھیں؛ البتہ اگر واش روم میں ڈھکن والا کموڈ لگا ہوا ہے اور وہ بند بھی ہے اور صفائی کا بھی خوب اہتمام کیا ہوا ہو تو پھر بوقت وضو دعائیں زبان سے پڑھ سکتے ہیں۔

بیت الخلاء کی دعا کی حکمت اور پیغام

● جنات ہم کو دیکھتے ہیں اگر چہ ہم اُن کو نہیں دیکھتے اور جب شرارت کا کوئی موقع آتا ہے تو اس کو شیاطین ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اُن کی شرات سے بچنے کیلئے یہ دعا تلقین کی گئی، ایک حدیث میں ہے کہ جب انسان بسم اللہ پڑھ کر بیت الخلاء میں جاتا ہے تو شیاطین کو انسان کی شرم گاہ نظر نہیں آتی؛ اس لیے ان کیلئے کھلواڑ کرنا ممکن نہیں ہوتا؛۔(ترمذی، رقم:۶۰۶)

● جس طرح مکھیاں اور دوسرے غلاظت پسند کیڑے مکوڑے غلاظت پر گرتے ہیں اِسی طرح خبیث شیاطین اور بعض دوسری موذی مخلوقات غلاظت کے مقامات سے خاص دلچسپی اور مناسبت رکھتے ہیں؛ اِس لیے رسول اللہ ﷺ نے اِن مقامات میں جانے کے وقت کیلئے یہ دعا بتائی اور خود حضور ﷺ کا معمول بھی تھا کہ بیت الخلاء جانے کے وقت دعا پڑھتے تھے۔(معارف الحدیث:۲۳۱/۵)

● روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیاطین جسمانی طور پر بھی انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور روحانی طور پر بھی، جسمانی نقصان یہ پہنچا سکتے ہیں کہ تمہیں ظاہری گندگی میں ملوث کر دیں اور اس کے نتیجے میں تمہارے کپڑے اور جسم ناپاک ہوجائیں اور بعض اوقات جسمانی بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں؛ چنانچہ تاریخ میں بعض ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ شیاطین نے اُن گندے مقامات پر باقاعدہ کسی انسان پر حملہ کیا

اور بالآخر اُس کو موت کے منہ میں پہنچا دیا، بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیماری کے جراثیم شیاطین ہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں؛ لہٰذا اِن مقامات پر انسان کی صحت کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

روحانی نقصان یہ ہے کہ اِن مقامات پر انسان کی شرم گاہ اور ستر کھلی ہوتی ہے، اُس وقت شیطان انسان کے دل میں فاسد خیالات پیدا کرتا ہے، غلط قسم کے خیالات، خواہشات اور غلط قسم کی آرزوئیں پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے انسان کے سفلی جذبات، سفلی خواہشات زیادہ زور دکھاتے ہیں، اگر اللہ کی پناہ شامل حال نہ ہو تو انسان ان مقامات پر گناہوں کا بھی ارتکاب کر لیتا ہے۔ (اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۹۶)

● ایک کامل مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ اس کی زبان ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے؛ لیکن نجاست اور گندگی کی جگہ میں ذکر کرنا بے ادبی اور بے احترامی کی بات ہوگی۔ معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں جا کر ذکر اللہ میں انقطاع پیدا ہوگا؛ اِس لیے اِس موقع پر دعا پڑھنے کی تعلیم دی گئی؛ تا کہ مسلمان کا رابطہ اللہ رب العزت سے جڑا رہے۔ اب ظاہر ہے کہ انسان اگر اِس حالت میں بھی اللہ کے ساتھ رابطہ قائم رکھے تو یقیناً وہ وہاں پر گناہوں سے محفوظ رہے گا، اور اگر اِس طرح پوری زندگی میں اِس کا خیال رکھے گا تو اُس کی زندگی سنت وشریعت کے عین مطابق ہوگی، اس کی دنیا وآخرت سنور جائے گی۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۳۷۵)

● ذکر اللہ، شیاطین سے بچنے کا ذریعہ ہے، جس قلب میں اللہ کا ذکر سما جائے گا، وہاں پر شیاطین کا تصرف زیادہ نہیں ہوگا، ترمذی شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی مثال ایک محفوظ اور مضبوط قلعہ کی سی ہے، جس طرح آدمی دشمنوں اور ڈاکوؤں کے تعاقب سے ایک مضبوط قلعہ کے ذریعہ سے بسہولت بچ سکتا ہے، اسی طرح شیاطین کے اثرات سے ذکر کے ذریعہ ہی بچ سکتا ہے؛ ورنہ یہ کسی کو بخشتے نہیں۔ (الدر المنضود: ۱/۹۱)

● بیت الخلاء جانا ہماری مجبوری ہے، اللہ تعالیٰ اِس موقع پر بھی ہماری آزمائش فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کو یاد رکھتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں۔

لمحۂ فکریہ

اِس ترقی یافتہ دور میں مکانات اور بلڈنگیں نہایت عمدہ، خوب صورت بن رہی ہیں، رنگ وروغن پر کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں، بیت الخلاؤں اور ٹوائیلٹس کو بھی صاف ستھرا اور عمدہ بنایا جا رہا ہے، اسلام اِس سے منع نہیں کرتا؛ لیکن تعمیر وترقی کے اِس دور میں مسلمانوں کی زندگیوں سے مذکورہ دعا غائب ہوگئی، نوجوانوں اور عورتوں کا بہت بڑا طبقہ اِس دعا سے غافل ہے، ضرورت اِس بات کی ہے کہ اِس دعا کا اہتمام

اور حکمت وپیغام کو ذہنوں میں مستحضر رکھیں، زندگی سکون سے گذرے گی؛ کیونکہ اصل سکون واطمینان اللہ کے ذکر اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی پیروی میں مضمر ہے، اگر دعا یاد نہیں تو بیت الخلاؤں کے دروازوں پر لکھ کر چپکادیں؛ تاکہ بیت الخلاء جاتے وقت دعا یاد آجائے، ایک گمنام اقتباس پڑھیے!

آج کی دنیا میں جس کو دیکھو جانی، سماجی یا معاشی پریشانی کا شکار ہے، سکون نام کی چیز ہماری زندگی سے نہ جانے کہاں چلی گئی۔ وجہ کیا ہے آخر ہم جو نبی کریم ﷺ کے امتی ہیں، اتنے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، ذرا سا غور کریں تو وجہ بالکل سامنے ہی ہے، ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں زندگی گذارنے کا ایک طریقہ دیا ہے، ہم اگر زندگی کے ہر قدم پر نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا اہتمام کریں تو بڑی بڑی پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں۔ انسان کی ۹۰؍فیصد روحانی اور ۵۰؍فیصد جسمانی بیماریوں کا تعلق صرف بیت الخلاء سے ہے، ایک چھوٹی سی دعا کو چھوڑا اور کتنی بیماریوں نے ہمارا گھر دیکھ لیا، جراثیم، جرم تھیوری وغیرہ یہ سب شیطان کے ہی نظام ہیں ہر گندی جگہ جہاں زیادہ جراثیم ہوتے ہیں، جنات اور شیاطین وہاں رہتے ہیں، اب چاہے اس بیت الخلاء کو آپ جتنا سجالو یہ ظاہری نظام ہی ہے، اس کیلئے نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی دعا کو پڑھ کر جانے میں ہی عافیت ہے۔

''أعوذ بک'' کا مطلب ہے پناہ میں آتا ہوں، یعنی اللہ کے سپرد اپنے آپ کو کرتا ہوں، اب جب بندہ اللہ کے سپرد اپنے آپ کو کردے تو اللہ پاک سے بڑا محافظ بھلا کون ہے؟ ہم نے بیت الخلاء کو ٹائلوں سے مزین کرلیا اور پہلو میں سجالیا اور بے فکر ہوگئے، یہاں کچھ لوگوں نے تو مغرب کی اندھی تقلید میں بیت الخلاء کو آرام گاہ بناڈالا، جتنے نفسیاتی امراض کے مریض مغربی ممالک میں ہیں اور کہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اِس دعا کو حسب موقع پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بیت الخلاء سے باہر نکلنے کی دعا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو یہ دعا پڑھتے: ''غُفْرَانَکَ'' اے اللہ میں تیری مغفرت چاہتا ہوں۔ (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے اور ترمذی شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے وقت ''غفرانک'' پڑھتے تھے، اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایتوں میں ''الحمد للّٰه الذي أذْهَبَ عَنِّي الأذى وعافاني'' کے

الفاظ آئے ہیں، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ کبھی آپ ﷺ پہلی دعا پڑھتے تھے اور کبھی دوسری، محدثین لکھتے ہیں کہ دونوں کو جمع کر لینا بہتر ہے؛ اِسی لیے دعاؤں کی اردو کتابوں میں یہ دعا ایک ساتھ لکھی ہوئی ہے یعنی ’’غفرانک، **الحمد للّٰه الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّيْ الأَذٰی و عَافَانِي** ‘‘۔(ابن ماجہ:۳۰۱) حمد وشکر اُس اللہ کیلئے جس نے میرے اندر سے گندگی اور تکلیف والی چیز دور فرمادی اور مجھے عافیت وراحت دی۔

تشریح: انسان جب فراغت کے بعد بیت الخلاء سے باہر نکلنے کا اراداہ کرے تو اُس وقت سرکارِ دوعالم ﷺ نے دوسری دعا تلقین فرمائی ہے اور دوسرا ادب بتایا ہے کہ جب باہر نکلنے لگو تو پہلے دایاں پاؤں باہر نکالو اور مذکورہ دعا پڑھو۔ اِس موقع پر دعا پڑھنے کی تلقین درحقیقت یہ بتانا ہے کہ انسان کیلئے ہمیشہ اپنے رب اور خالق ومالک کو یاد رکھنا نہ صرف ضروری ہے؛ بلکہ اس کی تخلیق کا مقصد بھی ہے، آخر انسان؛ بالخصوص مسلمانوں میں اور جانوروں؛ بالخصوص غیر مسلموں میں کچھ تو مابہ الامتیاز ہونا چاہیے، مذکورہ موقع پر دعا اسلام کی جامعیت اور اس کے سراپا مہذب مذہب ہونے کی واضح دلیل ہے، کیا کوئی اور مذہب بھی ہے جس میں ایسی جامع تعلیمات کی رہنمائی ہے۔

مذکورہ دعا کی حکمت اور پیغام

- دعا کا آغاز **غفرانک** سے ہو رہا ہے جس کا مطلب ہے اے پروردگارِ عالم! میں آپ سے مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں، فطری طور سے یہ سوال پیدا ہوگا کہ اِس موقع پر بظاہر کسی گناہ کا ارتکاب تو نہیں ہوا ہے پھر کس چیز سے مغفرت مانگتا ہوں، فقہاء نے اِس کے مختلف جوابات لکھے ہیں۔
- اِس موقع پر دو باتوں سے مغفرت مانگی گئی ہے: ایک اِس بات سے کہ اِس وقت میں جس حالت میں تھا، ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلط عمل سرزد ہوگیا ہو، اُس سے مغفرت مانگتا ہوں، دوسری بات یہ کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل وکرم سے مجھ پر جتنے انعامات فرمائے ہیں، میں اُن انعامات پر شکر کا حق ادا نہیں کر پایا: اب ایک نعمت اور مجھے حاصل ہوگئی ہے؛ کیونکہ جسم سے نجاست کا نکل جانا یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار اِس پر ہے، اب اِس وقت اے اللہ! آپ نے جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، میں اس نعمت کے شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا، اِس پر میں آپ سے پہلے ہی مغفرت مانگتا ہوں۔ (اسلام اور ہماری زندگی:۱۰/۹۶)
- حضور ﷺ ہر وقت ذکر فرماتے رہتے تھے؛ لیکن بیت الخلاء میں ذکرِ لسانی کا سلسلہ منقطع رہتا تھا، اِس انقطاعِ ذکرِ لسانی پر آپ نے استغفار فرمایا۔ ہم ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول نہیں رہتے، یہ ہماری کوتاہی

شمار ہوگی، گویا اِس دعا میں ایک پیغام یہ بھی ہے کہ ہمیں ہر وقت ذکرِالٰہی میں مشغول رہنا چاہیے اور بیت الخلاء میں انقطاعِ ذکر لسانی پر معافی مانگنی چاہیے۔

● ایک جواب حضرت گنگوہیؒ (م:۱۳۲۳ھ) نے یہ دیا ہے کہ قضائے حاجت کے وقت انسان اپنی نجاستوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان ظاہری نجاستوں کو دیکھ کر انسان کو اپنی باطنی نجاستوں (نجاست قلبیہ یعنی گناہ) کا استحضار کرنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ استحضار، استغفار کا موجب ہوگا؛ اِس لیے ''غفرانک'' کہنے کی تعلیم دی گئی۔ (درس ترمذی:۱/۱۸۰)

● قضائے حاجت سے فراغ کا وقت نعمت غذا کی تکمیل کا وقت ہے، اول اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی نعمت عطا فرمائی پھر اُس کو سہولت کے ساتھ حلق سے نیچے اتارا ورنہ بعض مرتبہ پھندہ بھی لگ جاتا ہے پھر اس کے بعد معدہ کا اس غذا کو قبول کرنا اور اُس کا ہضم ہونا اور ہضم ہونے کے بعد کارآمد اجزاء کا جُز وِبدن بننا اور سب سے اخیر میں فُضلہ کا عافیت کے ساتھ جسم کے اندر سے باہر آجانا جو آخری مرحلہ ہے؛ غرضیکہ یہ نعمتِ غذا کی تکمیل کا وقت ہے جس کا حق اور شکر ہم سے ادا نہیں ہوسکتا اِس تقصیر (کوتاہی) پر آپ نے امت کو استغفار کی تعلیم فرمائی۔

● اللہ کی نعمتیں بندے پر ہر وقت برستی ہیں، ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہے، ایک لمحہ بھی غافل نہ ہو اور قضائے حاجت انسان کی مجبوری ہے وہ اس وقت میں ذکر نہیں کرسکتا، اس کوتاہی پر اگرچہ وہ بدرجۂ مجبوری ہے ''غفرانک'' کے ذریعہ معافی مانگی گئی ہے، بندہ عرض کرتا ہے: خدایا! جو غفلت میری طرف سے پائی گئی اس کوتاہی کا میں معترف ہوں اور بخشش طلب کرتا ہوں، مجھے معارف فرما۔ (تحفۃ الالمعی:۱/۲۰۲)

● چونکہ یہ وقت اور حالت شیطان کے تَـلَـعُّـب (کھیلنے)، معیت (ساتھ رہنے) اور تـلـوُّث (نجاست لگنے) کی ہے؛ لہٰذا اس کے مقابلہ میں طلبِ مغفرت کو ضروری قرار دیا گیا۔

● طلبِ مغفرت کیلئے پہلے گناہ کا ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ جس طرح نیکی کی نورانیت قلب پر اثر کرتی ہے، اسی طرح گناہ کی کدورت بھی قلب پر اثر کرتی ہے، طلبِ مغفرت سے غرض یہ ہے کہ جو کدورت اور میل گناہ کی وجہ سے قلب پر جم گئی ہے، اس کا ازالہ کیا جائے۔ لہٰذا قضائے حاجت کی وجہ سے ذکر سے محرومی کا جرم غیر اختیاری ہونے کے سبب یقیناً معاف ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے روحانی ترقی میں جو کمزوری، سستی اور پیچھے رہ جانا ہوا ہے، طلبِ مغفرت سے اس کا ازالہ مقصود ہے۔ (حقائق السنن:۱/۱۴۲)

● انبیاء کے علاوہ کوئی فرد یا جماعت گناہوں سے محفوظ نہیں ہے، موجودہ دور بد دینی، دین بیزاری اور اسلامی تہذیب واخلاق سے عاری ہے، اِس دور میں تو گناہوں کی کثرت ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے قضائے حاجت کے بعد مذکورہ مغفرت کے ذریعہ اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ تمہارا نبی گناہوں سے پاک صاف ہے، اس کے اگلے اور پچھلے سارے گناہوں کی بخشش کا اعلان ہو چکا ہے تب بھی وہ مغفرت الٰہی کا طالب ہے تو تمہیں طلب مغفرت کی کتنی ضرورت ہونی چاہیے، تم تو گناہوں کے پتلے ہو، تمہارا نبی ایک ایسی جگہ مغفرت کا طالب ہے جہاں کسی طرح کا کوئی گناہ نہیں ہوا ہے اور جہاں قضائے حاجت کیلئے جانا ایک فطری مجبوری ہے؛ لہٰذا تمہیں تو یہ عمل نبوی اپنی زندگی میں لاکر یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم پوری زندگی گناہوں سے دور رہیں گے اور اگر کبھی گناہ ہو گیا تو فوراً مغفرت کی درخواست کریں گے؛ اِسی لیے آپ ﷺ مختلف اوقات اور مختلف اعمال کے اخیر میں استغفار پڑھا کرتے تھے؛ تاکہ جہاں ایک طرف اپنی کوتاہی اور عاجزی کا اعتراف ہو سکے جو شکر کا لازمی حصہ ہے وہیں دوسری طرف امت بھی طلب مغفرت کی عادی ہو جائے اور یہی چیز انسان کے ترقی درجات کا سبب ہے، اللہ ہمیں اس کی توفیق دے!

دوسری دعا کی حکمت اور پیغام

● مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں: پیشاب یا پاخانہ خدانخواستہ رُک جائے اور فطری طریقہ سے خارج نہ ہو تو اللہ کی پناہ! کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے خارج کرنے کیلئے اسپتالوں میں کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں، اگر بندہ اِس کا دھیان کرے تو محسوس کرے گا کہ فطری طریقے سے پیشاب یا پاخانے کا خارج ہونا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت اور کتنا عظیم احسان ہے، رسول اللہ ﷺ اسی احساس اور دھیان کے تحت اس موقع پر اِس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے تھے: ''**الحمد لله الذي أذهَبَ عَني الأَذَى وعَافَانِي**'' سبحان اللہ! کیسی برمحل اور کتنی عارفانہ دعا ہے۔ (معارف الحدیث: ۵/۱۳۳)

● مفتی تقی عثمانی زید مجدہ کے افادات میں ہے: اگر اِس دعا میں غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اِس مختصر سی دعا میں نبی کریم ﷺ نے معانی کی عظیم کائنات بیان فرمادی ہے، اِس کے علاوہ ایک دوسری دعا بھی منقول ہے جس میں اِس سے زیادہ وضاحت ہے، آپ پڑھتے تھے: ''**الحمد لله الذي أذاقني لذَته وأبقى فِيَّ قُوَّته وأذهب عَنِّي أذاه**'' (کنز العمال) اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس کھانے کی لذت عطا فرمائی اور اِس کھانے میں جو قوت والے اجزاء تھے اور جو میرے جسم کو طاقت بخش سکتے تھے، وہ اجزاء

میرے جسم میں باقی رکھے اور جو اجزاء تکلیف دہ اور گندے تھے وہ میرے جسم سے دور کر دیے۔

آپ غور کریں کہ انسان دن رات یہ کام کرتا رہتا ہے؛ لیکن اس کے نعمت ہونے کی طرف دھیان نہیں جاتا، ہم جب کھانا کھاتے ہیں تو ہمارے پیشِ نظر صرف زبان کا ذائقہ اور لذت ہوتی ہے، کھاتے وقت اِس طرف دھیان نہیں ہوتا کہ یہ کھانا ہمارے اندر جا کر کیا فساد مچائے گا، کھائی جانے والی مختلف اشیاء کے مختلف اثرات ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسم میں ایک مشین بنائی ہے جو اس غذا کے ہر حصہ کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتی ہے، یہ خود کار مشین قوت والے اجزاء کو محفوظ رکھتی ہے اور بے فائدہ اجزاء کو پیشاب و پاخانہ کے ذریعہ خارج کر دیتی ہے؛ اِس لیے جب تم قضاء حاجت سے فارغ ہو تو اِس پر شکر ادا کرلو کہ آپ نے مجھ سے یہ گندگی دور فرمادی اور مجھے عافیت عطا فرمادی۔ (اختصار: اسلام اور ہماری زندگی: ۱۰/۹۹)

● انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کیلئے ایک قسم کے انقباض اور گرانی کا باعث ہوتا ہے، اگر وہ بروقت خارج نہ ہو تو اس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہو جائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اِس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے؛ اِس لیے قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کی تعریف کرنے کا حکم ہے۔ (سنن ابن ماجہ اردو: ۱/۱۳۴)

● ذرا سوچئے اگر پیشاب اور پاخانہ کے ساتھ انتڑیاں اور دیگر مخفی قوتیں اور طاقتیں بھی خارج ہو جائیں تو اللہ کے بغیر اِس درد و کرب سے کون محفوظ رکھ سکتا ہے؟ اب جبکہ قضائے حاجت کے وقت اللہ نے ان چیزوں سے ہماری حفاظت فرمائی؛ پس اُس ذات کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، مذکورہ دعا کے ذریعہ اُسی حق شکر کی ادائیگی کا حکم ہے۔

● شریعت نے ''حمد و شکر'' کا ایک جامع نظام بنایا ہے، بندوں پر اللہ کی نعمتیں ہر آن برستی رہتی ہیں، سانس لینا اور چھوڑنا مستقل نعمتوں کا حصہ ہیں، ان نعمتوں کے بدلے میں اللہ کی تعریف اور اس کا شکریہ ادا کرنا بندگی اور عبدیت کا تقاضا ہے، گندگی کا دور ہونا اور عافیت نصیب ہونا بھی ایک نعمت ہے، پس اِس موقع پر اللہ کی تعریف کرنا ضروری ہے، اِس موقع پر مذکورہ جملہ کے ذریعہ اللہ کی تعریف کرنا اُسی نظامِ حمد و شکر کا ایک حصہ ہے، گویا ''غُفْرَانَکَ'' کے ذریعہ پہلے ادائے شکر میں کوتاہی پر معافی مانگی گئی اور دوسری دعا میں اُسی شکر کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی، اور دونوں جملوں کا مشترکہ پیغام یہ ہے کہ انسان پوری زندگی اللہ کی تعریف اور گناہوں اور کوتاہیوں پر شرمندگی کے اظہار میں گذارے۔ ○❖○

سلطان ٹیپوؒ اور مذہبی رواداریاں

از: معاذ کولہاپوری، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

سرزمین ہند کی پرامن فضاؤں میں آزادانہ سانس لیتے ہوئے دورفرنگی کا تذکرہ چھڑتا رہتا ہے، اور مجاہدین وطن وشہدائے چمن کی قربانیوں کی یاددہانیوں اور مدح سرائیوں کی مجلسیں جمتی رہتی ہیں۔ یہ مجلسیں اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتیں؛ جب تک کہ ٹیپو سلطانؒ کا تذکرہ نہ ہو۔

یہ سچ ہے کہ سلطانؒ جنگ آزادی کے سرخیل تھے؛لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سی خوبیاں ان میں موجود تھیں جن سے لوگ ناآشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ سلطانؒ کو ایک متعصب اور ہندو دشمن ظالم حکمراں کی حیثیت سے پیش کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں؛ حالانکہ حقیقت بالکل برعکس ہے۔ غلط فہمیاں تو انگریز مؤرخین نے من گھڑت اور جھوٹی باتیں لکھ کر پھیلائی تھیں۔ ان کے جھوٹ کا اندازہ کرنے کیلئے صرف یہی ایک مثال کافی ہوگی: ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ: ٹیپو سلطانؒ نے صرف ''کورگ'' شہر میں ستر ہزار لوگوں کو قبول اسلام پر مجبور کیا تھا؛ حالانکہ عہد ٹیپو میں سرزمین 'کورگ'' فقط پچیس سے تیس ہزار کی آبادی پر مشتمل تھی۔ (سیرت ٹیپو سلطان شہید: ۴۳۲)

مندروں پر عنایات

ٹیپو سلطانؒ نے مسجدوں اور مندروں کے درمیان کبھی کوئی امتیاز روا نہیں رکھا، جس طرح مسجدوں پر سلطانؒ کی نظریں رہیں، اسی طرح مندروں پر بھی ان کی عنایات رہیں، جن کا اندازہ درج ذیل چند مثالوں سے لگایا جاسکتا ہے:

تعلقۂ نجن گڑھ کے کلالے نامی گاوں میں واقع لکشمی کانتھ مندر میں چاندی کے چار پیالے، ایک پلیٹ اور ایک اگالدان اب بھی دیکھا جاسکتا ہے، جو ٹیپو سلطان شہیدؒ نے اس مندر کو بطور نذرانہ دیا تھا۔

خودسری رنگا پٹنم کے رنگناتھ مندر کو سلطانؒ نے ایک کافوردان اور چاندی کے سات پیالے دیے تھے اور یہ چیزیں آج تک اس مندر میں موجود ہیں۔ مقدم الذکر شہر کے ایک اور مندر سرکینٹھور کو ایک مرصع پیالہ جس کے نچلے حصے میں پانچ قیمتی جوہرات جڑے ہوئے تھے عطا کیا اور نارائن سوامی مندر کو قیمتی جواہرات سے آراستہ بہت سے برتن، ایک نقارہ اور بارہ ہاتھی عنایت کیے تھے۔ (سیرت ٹیپو سلطان شہید: ۴۳۸)

مندروں کی حفاظت

سلطانؒ مندروں پر فقط خزانے لٹا کر عہدہ برآ نہ ہوئے؛ بلکہ مشکل اوقات میں کئی مندروں کی حفاظت بھی کی ہے۔ ڈنڈیگل تعلقہ پر حملہ کرتے ہوئے سلطانؒ نے اس کے عقبی حصہ سے گولہ باری کروائی تھی جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ راجہ کا وہ مندر حملوں کی زد میں نہ آنے پائے جو قلعہ کے اگلے حصہ میں واقع تھا۔

ملیبار میں گروایوار پر قبضہ کے دوران وہاں کے ایک مندر کو نذر آتش کرنے کی کوشش کرنے والے کچھ مسلمان سپاہیوں کو سلطانؒ نے سزائیں بھی دلوائیں اور اسی وقت مندر کی مرمت بھی کروائی۔

کانجی ورم کے اُس مندر کی تکمیل کیلئے (جس کی بنا ۱۷۸۰ء میں سلطان حیدر علی نے رکھی تھی؛ مگر تکمیل نہ ہوسکی تھی) سلطان نے دس ہزار روپیہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس موقع پر ہونے والی آتش بازیوں کے مصارف بھی خود برداشت کیے تھے۔ (سیرت ٹیپو سلطان شہید: ۴۳۸)

مندروں اور سوامیوں کا احترام

جب رگھوناتھ راو کی قیادت میں مرہٹہ دراندازوں اور فتنہ پردازوں نے سرنگیر کے ایک مندر پر حملہ کیا، بیش قیمت املاک لوٹ کر لے گئے اور سارہ دیوی نامی مورتی کو باہر پھینک دیا جس کے نتیجہ میں مندر کے سوامی اور متولی شنکر گرواچاریہ فرار ہوکر شہر کارکل میں پناہ گزیں ہوئے اور سلطان سے حالات کی شکایت کی، تو سلطانؒ نے جواباً ایک خط سوامی کے نام ارسال کیا جس میں آپؒ نے اس قدر احترام کے ساتھ سوامی کو تسلی دی کہ خلاف معمول گرو جی کے نام کو اپنے نام پر مقدم کیا اور اسی پر بس نہیں؛ بلکہ ان کو اپنے زیر قبضہ دیہاتوں میں سے کسی بھی چیز کے لینے کا اختیار دیا، نیز اس علاقہ کے گورنر سے دوسو اشرفیاں مع غلہ دلوائیں اور سارہ دیوی کو احترام کے ساتھ اس کی جگہ نصب کرواکر اس تقریب کے موقع پر ایک ہزار فقرا کو کھانا کھلوایا۔ (سیرت ٹیپو سلطان شہیدؒ ۴۳۵)

ہندو عہدیدار بڑے عہدوں پر

سلطانؒ ہندوؤں کو فقط دور ہی سے نوازتے نہیں رہے؛ بلکہ انھیں بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز کر رکھا تھا۔ سلطنت خداداد کا وزیر خزانہ ہندو برہمن ''پورنیا'' تھا۔ یہی ''پورنیا'' باعتبار اختیارات کے وزیر اعظم میر صادق کے بعد سلطانؒ کا نائبِ دوم بھی تھا۔

سلطان کا ذاتی منشی اور معتمدِ خاص ''لالہ مہتاب رائے سبقت'' نامی ایک ہندو برہمن تھا، جو میدانِ جنگ میں بھی شاہی کیمپ میں رہتا تھا اور اخیر تک سلطان کا وفادار رہا۔

میسور کی فوج کا افسر اعلیٰ ہری سنگھ تھا، جس کا بھائی بھی باوجود ہندو ہونے کے حکومت کا ایک بڑا عہدیدار تھا۔ کورگ کی فوج کا افسر اعلیٰ ایک برہمن تھا۔ علاوہ ازیں تین ہزار کی ایک فوج سردار سیوا جی کی کمان میں رہتی تھی۔ اسی طرح اور بھی کئی مناصبِ علیا پر غیر مسلموں کو فائز کر رکھا تھا۔ (سیرت ٹیپو سلطان شہید: ۴۳۴)

ہندو اور مسلم کے حقوق میں مساوات

سلطان ٹیپوؒ نے جس طرح عبادت گاہوں میں برابری اور مساوات کا معاملہ کیا، اسی طرح انسانی حقوق میں بھی بلاتفریق ہندو و مسلم کے مذہبی رواداری کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ جہاں انہوں نے کرشنا راؤ اور اس کے بھائیوں کو غداری کی سزا میں تختۂ دار پر لٹکایا، وہیں محمد قاسم اور عثمان خان کشمیری کو بھی موت کے گھاٹ اتارا۔ جہاں سلطان نے عیسائی غداروں اور نمک حراموں کے پیشوا اور قائدین کو موت کی سزا دی، وہیں ان مسلمان عورتوں کو بھی قتل کیا جنہوں نے انگریز سپاہیوں کے ساتھ بدکاری کی تھی۔ (سیرت ٹیپو سلطان شہید: ۴۳۳)

اہل السنۃ والجماعۃ سے عقائد میں بنیادی فرق کی بنا پر مہدوی فرقہ کو سلطان غیر مسلم ہی گمان کرتے تھے، نیز یہ لوگ سلطنت خداداد کیلئے آستین کے سانپ تھے، ان میں سے بھی بہتیرے لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر رکھا تھا۔ جب ان کی انگریزوں کی خفیہ حمایت پر ایک مدت دراز گذر گئی اور ذکر بالجہر کا وہ خاص غیر شرعی طریقہ جس کے یہ لوگ قائل تھے، پوری پوری رات اڑوس پڑوس کے لوگوں کی تکلیف کا باعث بننے لگا، اور برملا حکم عدولیاں کرنے لگے، تو سلطان نے ان کو جلاوطن کر دیا۔

عیسائیوں کے ساتھ سلطان کا سلوک

عیسائیوں کے ساتھ بھی سلطان کا رویہ کچھ مختلف نہ تھا۔ سلطان نے کئی فرانسیسی عیسائیوں کو اپنی سلطنت میں عہدے سپرد کر رکھے تھے۔ آرمینیہ کے عیسائی تاجروں کو بھی اپنے ملک میں آکر تجارت کرنے کی اجازت ہی نہیں؛ بلکہ ان کی مالی پشت پناہی بھی کی۔ گو اسے تارکینِ وطن عیسائیوں کو دوبارہ اپنی سلطنت میں لاکر بسایا۔ (سیرت ٹیپو سلطان شہید: ۴۴۵)

رعایا کے دل میں سلطانؒ کی عقیدت ومحبت

رعایا میں سلطان ٹیپو کی عقیدت اس قدر تھی کہ ہندو مذہب کے دو فرقوں واڈ گلائی اور ٹنکالائی کے درمیان اختلاف ہونے پر خود ہندوؤں نے سلطان کو اپنا حکم اور ثالث بنایا تھا۔ بھلا اگر سلطان ظالم اور ہندو دشمن ہوتے تو یہ صورتِ حال کیوں کر ممکن ہوتی؟

سلطانؒ کی مذہبی رواداری ہی تو تھی جس نے رعایا کے سینوں میں عقیدت ومحبت کے وہ شمع فروزاں کیے تھے جنہیں دیکھ کر انگریز بھی ششدر تھے۔سلطان نے جس جگہ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی اسی جگہ سلطان کے سیکڑوں فدائین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں،جن میں عورتیں بھی تھیں اور جوان لڑکیاں بھی۔جب سلطان کا جنازہ اٹھایا جانے لگا تو راہ میں ہندوعورتیں ماتم کرتے ہوئے اپنے سروں پر مٹی ڈال رہی تھیں۔(سیرت ٹیپوسلطان شہید:۴۴۳)

اسی لیے ظفر علی خان نے کہا تھا: قوت بازوئے اسلام تھی اس کی صولت

اس کی دولت کے دعا گوؤں میں شامل تھے ہنود

سلطانؒ کی مذہبی رواداری اور بلاتفریقِ مذہب رعایا سے حسن سلوک ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف ہندوفرقہ پرستوں کے منہ سے نکلا ہوا زہر دیکھئے،تاریخ کے مسخ کرنے اور اسے مٹانے کی زندہ مثال آپ کو واضح طور پر سمجھ میں آجائے گی۔جولوگ تحمل مزاجی اور برداشت کی دولت سے محروم ہیں،اور جو تعصب کے ناپاک نالے کے گندے کیڑے ہیں،جوسانپ وبچھو کی طرح ہمیشہ زہر اگلتے رہتے ہیں،وہ کہہ رہے ہیں کہ سلطان ہندوکُش اور متعصب ظالم حکمران تھا۔کاش ایک نظر اپنے دامن پر بھی ڈال دی ہوتی!

ع دامن تو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

افسوس!اس پر بھی ہے کہ سرزمینِ ہند کے اس عظیم سپوت کے حالاتِ زندگی اور اس کے قابلِ رشک کارنامے باشندگانِ ملک تک صحیح معنوں میں پہنچائے نہیں گئے ہیں،ورنہ ممکن نہ تھا کہ سلطان کو متعصب اور ہندودشمن ظالم حکمران کہا جاتا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی رواداری،غیرمسلموں کی خوشی وغم میں شریک ہونے اور ان کے مذہبی جذبات کا خیال رکھنے میں سلطان اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ بعض مواقع پر فقہی اعتبار سے اس پر بحث بھی کی جاسکتی ہے۔

المیہ یہ ہے کہ خود مسلمانانِ ہند اپنے سلاطین وحکمرانوں کے کارناموں اور ان کی عدل پروری کی داستانوں سے ناواقف ہیں۔اگر ٹیپوسلطان کے مسئلہ میں سنجیدگی اختیار نہ کی گئی اور اسے پڑھا اور پڑھایا نہ گیا تو وہ دن دور نہیں جب ٹیپوسلطان جیسا عادل حکمران بھی ظالم سمجھا جانے لگے گا اور مسلمانِ ہند وکیلِ صفائی بن کر وضاحتیں دے رہے ہونگے؛لیکن اس وقت تک پانی سر سے اوپر ہو چکا ہوگا!○❖○

رزق کی قدردانی

مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی، وادی مصطفیٰ شاہین نگر، حیدرآباد

کھانے پینے کی اشیاء کے تعلق سے اس فراوانی اور بہتات کے دور میں اس کی ناقدری اور بے حرمتی ایک عام سی بات ہوگئی، بچے ہوئے کھانے کو محفوظ رکھ کر اس کے استعمال کو معیوب گردانا جاتا ہے؛ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغرب کی اندھی تقلید نے جہاں اقدار کے بہت سارے پیمانے بدل دیے ہیں، اسی طرح کھانے کے بچانے اوراس کے پلیٹ میں رکھ چھوڑنے کوایک مہذب عمل سمجھا جاتا ہےاور پلیٹ کی مکمل صفائی اور پلیٹ کے بقیہ ریزوں کے استعمال اوراس کے کھالینے کوحقیر تر باور کیا جاتا ہےاورخصوصاً شادی بیاہ کے موقع سے اسراف وفضول خرچی کے وہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں اوررزق کی بے حرمتی کے وہ مناظر نگاہوں سے گذرتے ہیں کہ الامان والحفیظ، اسراف وفضول خرچی کا ایک طومار ہوتا ہے، مختلف کھانوں کی ڈشش نے تقاریب کے موقع سے رزق کی ناقدری کو بڑھاوادیا ہے، مختلف نوع کے کھانے اور ہرایک سے کچھ چکھ لینے کی نیت نہ جانے کس قدر رزق کی بے حرمتی اوراس کی ناقدری کی وجہ بنتی ہے، اگر ہم یہ اراد کرلیں کہ ہم رزق کی قدرکریں گےتو کتنے غریبوں کی بھوک علاج اوران کے فاقوں کا مداوا ہوسکتا ہے، اور کتنے نانِ شبینہ کے محتاج اورسسکتے بلکتے اور فاقہ زدہ گھرانوں کی خوشیاں عود کرآسکتی ہے، انانیت اورشہرت اور جاہ کی طلب نے بالکل اندھا کردیا ہے، سوائے اپنے انا کی تسکین کے ہمیں کچھ دکھائی نہیں دیتا، لوگوں میں اپنی شان جتانے اور صرف ناک اونچی کرنے کی خاطر ہمیں زرق کی ناقدری اور بے حرمتی منظور ہےاوراللہ کے غضب کودعوت دینا منظور ہے؛ لیکن اپنی شان نہ جائے، شخصیت پرآنچ نہ آئے۔

میری نگاہوں سے رزق کی قدردانی کے تعلق سے دوواقعات گذرے انھیں کی روشنی میں اس گناہِ عظیم اور ہمارے معاشرے کے اس عظیم روگ کے تعلق سے نشاندہی کرنا چاہتا ہوں، خدارا ان واقعات کوعبرت کی نگاہ سے پڑھیے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ذکروفکر میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے: ایک مرتبہ میرے والد ماجد حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ (جو میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے) کے گھر ملاقات کیلئے گئے، کھانے کا وقت آگیا تو بیٹھک میں دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا گیا، کھانے سے فارغ ہونے پر والدصاحب دسترخوان سمیٹنے لگے؛ تاکہ اسے کہیں جھٹک آئیں، حضرت میاں صاحبؒ نے پوچھا: ''یہ آپ کیا

کر رہے ہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا: حضرت دسترخوان سمیٹ رہا ہوں؛ تاکہ اسے کسی مناسب جگہ پر جھٹک دوں، میاں صاحب بولے، کیا آپ کو دسترخوان سمیٹنا آتا ہے،؟ والد صاحب نے عرض کیا: کیا یہ بھی کوئی فن ہے؟ میاں صاحب نے جواب دیا: جی ہاں، یہ بھی ایک فن ہے اوراسی لیے میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کام آتا ہے یانہیں، والد صاحب نے درخواست کہ حضرت! پھرتو یہ فن ہمیں بھی سکھا دیجیے، میاں صاحب نے فرمایا کہ آیئے! میں آپ کو یہ فن سکھاؤں۔ یہ کہہ کرانھوں نے دسترخوان پر بچی ہوئی بوٹیاں الگ کیں، ہڈیوں کو الگ جمع کیا، روٹی کے جو بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے، انھیں چن چن کر الگ اکٹھا کرلیا، پھر فرمایا کہ میں نے ان میں سے ہر چیز کو الگ جگہ مقرر کی ہوئی ہے، یہ بوٹیاں میں فلاں جگہ اٹھا کر رکھتا ہوں، وہاں روزانہ بلی آتی ہے اور یہ بوٹیاں کھالیتی ہے، ان ہڈیوں کی الگ جگہ مقرر ہے، کتے کو وہ جگہ معلوم ہے اور وہ وہاں آکر یہ ہڈیاں اٹھالیتا ہے، اور روٹی کے یہ ٹکڑے میں فلاں جگہ رکھتا ہوں، وہاں پرندے آتے ہیں اور یہ ٹکڑے ان کے کام آتے ہیں اور یہ جو روٹی کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں یہ میں چیونٹیوں کے کسی بل کے پاس رکھ دیتا ہوں اور یہ ان کی غذا بن جاتی ہے۔ اور پھر فرمایا: یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کا رزق ہیں، ان کا کوئی حصہ اپنے امکان کی حد تک ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ (مولانا محمد تقی عثمانی، ذکر وفکر: ۳۴)

اس وقت پیسوں اور مال ودولت کی فراوانی میں جو ہم رزق کے ضیاع اور بے حرمتی کے نقوش پیش کررہے ہیں، کبھی خدانخواستہ احوال زمانہ ہمیں کنگال اور بالکل غریب اور نہتا اور مفلس نہ کردیں۔

ایک عربی ادیب محمد بن عبدالعزیز نے رزق کی حرمت اور پاسداری کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے پڑوسی کو عصر کی نماز کے بعد کوڑے دان کے پاس اس میں سے کچھ لے کر اپنے گھر جاتے دیکھا، تو اس کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ شخص محتاج اور نادار ہے اور مجھے اس کا پتہ بھی نہیں؛ چنانچہ میں نے اس سے ملاقات اور اس کے احوال کی جانکاری اور کوڑے دان سے اسے کچھ اٹھاتے جو دیکھا تھا اس سے متعلق پوچھنے کا ارادہ کیا، جب میں اس سے ملاقات کے غرض سے اس کے پاس گیا تو وہ بہترین غنی اور مالداری کی حالت میں تھا، میں اس سے کوڑے دان سے کھانے اٹھانے کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے کوڑے دان میں کھانے کے قابل کھانے کو پڑا دیکھا تو اس کے پھینکے ہونے سے اچھا نہیں لگا، میں نے اس کو لینے اور اس کے بجائے اس غلیظ جگہ میں پڑے رہنے کے اس کے اکرام میں بہتری سمجھا۔

اس نے بتایا کہ ایک دفعہ میں فاقہ کی شدید حالت سے گذرا، تب سے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ میں کھانے اور زرق کی بے حرمتی نہیں کروں گا، میرے ساتھ قصہ کچھ یوں درپیش ہوا کہ مکہ میں مجھے ایک سال

بالکل فاقے گذارنے پڑے، نہ میرے پاس کوئی پیسہ تھا اور نہ مجھے کوئی کام مل پا رہا تھا، میں صبح کام کی تلاش میں نکلتا اور رات میں کچھ کام نہ ملتا تو گھر آ کر سوجاتا، میری بیوی اور بیٹی روزانہ اس انتظار میں ہوتیں کہ میں کچھ لے آؤں اور ان کی بھوک کا مداوا کروں، جب معاملہ حد سے گذرنے لگا اور تین دن فاقہ میں گذر گئے تو میں نے بھوک مٹانے کے خاطر اپنی حسین وجمیل اور اکلوتی بیٹی کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا، اس کو بنا سنوار کر بازار لے گیا، ایک دیہاتی کی نظر لڑکی پر پڑی، اس نے لڑکی کو دیکھا تو اسے پسند آ گئی، اس نے مجھ سے لڑکی کے تعلق سے بھاؤ تاؤ کیا، چاندی کے بارہ ریال پر راضی ہوگیا، جیسے ہی میں نے درہم اس کے ہاتھ سے لیے تو اس کو لے کر کھجور کے بازار کی جانب دوڑ پڑا، پیٹ بھرنے کے خاطر کھجور کی ایک زنبیل دو ریال کے عوض خریدی اور ایک قلی کو اس کے اٹھانے کیلئے خرید لیا، بھوک کی شدت کی وجہ سے مجھے اس کے اٹھانے کی طاقت نہ تھی، میں اس سے پہلے گھر پہنچ گیا، گھر پہنچنے پر پیچھے تو دیکھا تو قلی نظر نہیں آیا، میں اس کی تلاش میں نکل پڑا، پھر میں نے سوچا: میں بازار جا کر دوسری کھجور خرید لیتا ہوں میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ بقیہ ریال بھی گم ہو گئے تھے، مجھ پر بہت زیادہ مایوسی اور غم طاری ہوگیا، میں نے حرم شریف میں جانے کا عزم کیا، جب میں مطاف میں پہنچا تو وہ دیہاتی میری لڑکی کے ساتھ نظر آیا، میرے دل میں خیال آیا کہ جب یہ مکہ سے نکلے گا تو وہاں کسی گھاٹی میں گھات لگا کر اس کا قتل کر کے اس سے اپنی لڑکی کو آزاد کرلوں گا، میں طواف کر رہا تھا تو وہ مجھے نظریں چرا کر دیکھنے لگا اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے مل گئیں بتاؤ یہ لڑکی کون ہے؟ میں نے کہا: یہ میری باندی ہے، اس نے کہا: نہیں یہ تیری بیٹی ہے میں نے اس سے پوچھا ہے، اس لڑکی نے کہا یہ میرے والد ہیں، اس نے کہا: تم نے ایسا کیوں کیا، میں نے کہا: ہم تین دن سے فاقہ سے تھے، موت کے اندیشے اور ہم تینوں کی ہلاکت کے خوف سے میں نے ایسا کیا، پھر میں نے لڑکی کی قیمت اور اس کے گم ہو جانے کے تعلق سے اس کو بتلایا کہ مجھ کو اس رقم سے کوئی نفع نہیں ہوا، تو اس دیہاتی نے کہا: اپنی لڑکی لے لو اور آئندہ ایسا نہ کرنا، اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں تیس ریال تھے، اس میں سے تقسیم کر کے آدھے مجھے دیئے۔

میں بہت خوش ہوا، اس کے لیے اللہ سے دعا کی اور اس کے فضل واحسان پر اس کے گن گائے اور اپنی لڑکی کو لے کر کھجور خریدنے کیلئے بازار گیا تو مجھے وہ قلی نظر آیا، میں نے اس سے پوچھا: تم کہاں تھے؟ اس نے کہا: چچا جان آپ تو جلدی جلدی چل رہے تھے، مجھے تو راستہ ہی نظر نہ آیا، میں نے آپ کے تلاش کی بہت کوشش کی، تلاش بسیار کے بعد بازار واپس چلا آیا، میں نے کہا: وہ کھجور لے آؤ، جب ہم واپس ہو کر گھر میں داخل ہوئے اور برتن میں کھجور خالی کرنا چاہا تو وہیں مشک کے نیچے وہ درہم موجود تھے، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھے یہ علم ہوگیا

کہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے، پھر اس وقت سے یہ عزم کیا کہ ہمیشہ اللہ عزوجل کی نعمتوں اور اس کے رزق کی قدردانی کروں گا، کبھی بھی رزق کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھوں گا اور نہ اسے پھینکوں گا اور نہ کبھی کھانے کو کوڑے دان میں یا گندی میں پڑا رہنے دوں گا۔

یہ واقعہ رزق کی قدردانی کے تعلق سے نہایت عبرت خیز ہے، رزق کی اہمیت کا اندازہ فاقہ اور بھوک کی شدت میں ہی لگایا جاسکتا ہے؛ اس لیے زرق کی بے حرمتی اور ناقدری سے بچیں، اس کے ذریعہ غریبوں، مسکینوں، اور بھوکوں کی بھوک مٹانے کا نظم کریں، شادی بیاہ، دعوتوں اور تقاریب کے موقع سے اور ہوٹلوں میں رزق کے ضیاع سے حفاظت کر کے ہزاروں بھوکے لوگوں کے پیٹ بھرے جاسکتے ہیں؛ اس لیے آج ضرورت اس بات کی محض اپنے شان رکھنے کیلئے کھانے کے ضیاع اور اللہ کی نعمت کی ناقدری کرنے والے نہ بنیں، اللہ کی ناراضگی اور اس کی نعمت کی ناقدری کہیں اس کے غضب کے نزول کا سبب نہ بن جائے اور ہم سے بھی اس نعمت کی ناقدری کی وجہ سے وہ نعمت چھن نہ جائے اور ہمیں بھی برے اور بھیانک احوال سے گذرنا نہ پڑے۔

بقیہ:۔شب وروز۔ جمعیۃ علماء بہار کے ناظم اعلی جناب مولانا محمد ناظم نے سابقہ کارروائی کی خواندگی کی، حاضرین نے اس کی توثیق فرمائی، اور سکریٹری رپورٹ بھی پیش کیا، انہوں نے بتایا کہ سیمانچل سمیت شمالی بہار میں آئے بھیانک اور قیامت خیز سیلاب کی راحت رسانی کیلئے جمعیۃ علماء ہند اور اس کی شاخ جمعیۃ علماء بہار بہت پیش پیش رہی، جمعیۃ علماء ہند تو بڑے پیمانہ پر ریلیف کا کام کر رہی ہے، جبکہ جمعیۃ علماء بہار کی جانب سے اب تک ۲۷/لاکھ کی رقم سے اشیاء خوردنی تقسیم کیا جاچکا ہے۔ ریلیف کمیٹی جمعیۃ علماء بہار کے کنویز جناب مفتی جاوید اقبال صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء بہار نے سیمانچل میں آئے بھیانک سیلاب کی تباہی اور راحت و بچاؤ کیلئے جمعیۃ علماء ہند کے عملی اقدامات کا تفصیلی تذکرہ کیا، جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب نے مختصر انداز میں صدارتی خطاب بھی فرمایا، انہوں نے کہا: ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا آزادی کے بعد ہندوستانی مزاج کو سیکولر قرار دینے کے باوجود اسکولوں، کالجوں، یونیورسیٹیوں میں اکثریت کی چھاپ نظر آنے لگی اور مسلمانوں کو اسلام سے بے گانہ کرنے اور مسلمان بچوں کے ذہن و دماغ میں اسلام سے دوری اور نفرت پیدا کرنے کیلئے اسلامی شعائر کے خلاف مضامین داخل کئے جانے لگے تو جمعیۃ علماء ہند کے بینر تلے دینی تعلیمی بورڈ کا قیام عمل میں آیا، اور اس کی زیر نگرانی ملک بھر میں مکاتب کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، انہوں نے مکاتب کے قیام کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے حاضرین سے پرزور اپیل کی کہ وہ اس طرف توجہ دیں، جمعیۃ علماء بہار کی ترقی اور استحکام، جمعیۃ علماء کی ضلعی شاخوں کو فعال اور متحرک بنانے، پسماندہ علاقوں میں دینی مکاتب کے قیام، موجودہ ملکی فرقہ وارانہ صورت حال اور دیگر اہم مسائل پر تجاویز منظور کی گئی۔

گوشہ خواتین

رواجِ بے حجابی خوشنما کانٹوں کی مالا ہے

از: مولوی محمد نایاب حسن، شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیو بند

یوں تو عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں پر مختلف النوع تابڑتوڑ حملے ہورہے ہیں؛ چنانچہ کبھی انھیں بنیاد پرست ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، کبھی قدامت پرستی کی پھبتیاں کسی جاتی ہیں، کبھی دہشت گردی کی تہمت سے نوازا جاتا ہے، کبھی قرآنِ مقدس کی آیاتِ قتال کے اخراج کی بات کی جاتی ہے، کبھی اسلامی تعلیم گاہوں کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے اور نہ جانے کتنے اعتراضات واشکالات ہیں، جو مسلمانوں پر؛ بلکہ دراصل اسلام پر کیے جاتے ہیں۔

اسلام کے خلاف شدومد کے ساتھ کیے جانے والے ان اعتراضات میں سے ایک اہم، تعجب خیز؛ بلکہ ہر دلِ مسلم کیلئے دھماکہ خیز اعتراض وہ ہے جو حاقدین اسلام، اس کی حقانیت ظاہرہ اور اس کی روشن تعلیمات سے کورچشمی برتنے والے اہل مغرب اوران کے پروردوں کی جانب سے ایک طویل عرصے سے پیہم اچھالا جاتا ہے، وہ اعتراض اسلام کے مبنی بر مصالح حکم حجاب پر ہے، یہ حکم اپنے تمام تر وضوح، ثمر آور اور دوررس ومثبت نتائج رکھنے کے باوجود عقل کے دشمنوں کے گلے ہی نہیں اترتا؛ چنانچہ مغرب سے اس کے خلاف بڑی پرزور وپرشور آوازیں اٹھتی رہتی ہیں، جن کی دھمک بلادِ عربیہ اور ایشیا تک میں نہ صرف محسوس کی جاتی ہے؛ بلکہ چند ایک متنور اور روشن خیال قسم کے لوگ ان کی سُر میں سُر ملانے کیلئے آگے بڑھتے نظر آتے ہیں۔

اسلامی مفکرین دانشوران اور امت کے احوال کے تئیں واقعیت پسندی سے کام لینے والے ہر شخص کے دل میں ان سوالات کا کھٹکنا بالکل یقینی اور بدیہی ہے کہ آخر اسلامی پردے کے تئیں اس تنگ نظری کی کیا وجہ ہے؟ اور پردہ داری کی وجہ سے صرف مسلم خواتین کے حق میں ہی ہر نوع کا تشدد کیوں روا رکھا جارہا ہے؟ حالانکہ عیسائی راہبات اور بدھسٹ مذہب پرست عورتوں میں بھی اس کا خوب چلن ہے اور سب سے اہم یہ کہ اعداء اسلام کی ان ریشہ دوانیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اسلامی معاشرے ہی سے جنم لینے والے چند ایک مذہب بیزار ذہنیت رکھنے والوں کی طرف سے ''چلوتم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کی صدائے مسلسل کیوں آرہی ہے؟

حکم حجاب پر چھینٹا کشی کرنے اور اس کو تنقید کا نشانہ بنانے کی وجہ نام نہاد جمہوریت کی پامالی کو بتایا

جاتا ہے؛ حالانکہ دیگر مذاہب کی ماننے والی خواتین بھی اپنا مذہبی لباس پہنتی ہیں اور کسی بھی پبلک مقام یا تعلیم گاہ میں آنے کی ان کو کھلی اجازت ہوتی ہے۔آخر جمہوریت کی بحالی کیلئے یہ دوہرے پیمانے کیوں؟ ایک طرف تو اسلامی پردے پر روک لگائی جائے اور دوسری طرف دیگر افراد کیلئے کوئی قید نہ ہو۔

بات دراصل یہ ہے کہ ان کے دعوے کے پیچھے ان کی بدنیتی پوشیدہ ہے، حکم حجاب پر پابندی کا مطالبہ اس لیے نہیں کرتے جو وہ ظاہر کرتے ہیں؛ بلکہ ان کے اس پروپیگنڈے کے پس پردہ اسلام کی بڑھتی ہوئی حیرت انگیز طور پر مقبولیت، اس کی بے پناہ کشش اور تعجب خیز حد تک حقیقت بیں افراد کے اسلام کے حظیرۂ قدس میں پناہ لینے کے غیر منتہی تسلسل کو منقطع کرنے کی گھناؤنی سازشیں سرگرم عمل نظر آتی ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کی قدرتی مقناطیسیت ہر فردِ باشعور کو اپنی طرف حیرت ناک حد تک کھینچے جارہی ہے، ہر سال اسلامی تعلیمات کی شفافیت سے متاثر ہوکر بے شمار افراد قبول اسلام سے مشرف ہورہے ہیں، اسی طرح اسلام کے حکم حجاب سے متاثر ہوکر اَن گنت خواتین اسلام کی طرف جھک رہی ہیں؛ بلکہ چند ایک نومسلم خواتین کے یہ تاثرات دشمنانِ اسلام کے دماغ کی چولیں ہلائے دے رہے ہیں کہ وہ حجاب اپنا کر اپنے آپ کو انتہائی محفوظ محسوس کررہی ہیں، حجاب اور باحجاب خواتین کو تشددِ بے جا کا نشانہ بنائے جانے کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے۔

ایسے نازک ترین اور تشویشناک صورتِ حال میں اسلامی سوسائٹی کا یہ فریضہ ہے کہ اسلام کی بیٹیوں کو ان کی اصلیت سمجھائے، اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائے، انھیں بتائے کہ اسلام نے حجاب کا حکم دے کر تم پر ظلم نہیں کیا ہے؛ بلکہ تمہاری عصمت وعفت کی حفاظت کا ایک اچھا انتظام کیا ہے۔ان کے ذہن ودماغ میں یہ تصور بٹھادے کہ اگر حالات کے تھپیڑے اور حوادث دہر کی بے دردیاں کہیں تمہیں تلاش معاشِ میں بیرونِ خانہ نکلنے پر مجبور کردیں تو بھی تم اپنی ناموس کے تحفظ کی خاطر حجاب سے ہرگز باہر نہ آنا، انہیں یہ بھی ذہن نشین کرادیا جائے کہ اگر تم کسی بڑی دانش گاہ کی طالبہ ہو تو بھی پردہ نشینی سے دامن نہ جھٹک دینا، ان کے دلوں میں یہ حقیقت نقش کالحجر کردی جائے کہ تمہارے لیے شفقت مادریت، محبت خواہریت اور شوہر کے ساتھ اطاعت شعاری ووفا کیشی ایک عظیم شرف ہے نہ کہ بوجھ اور تکلیف کا سامان، انہیں اسلام کی روشن تعلیمات کے ذریعہ یہ باور کرادیا جائے کہ اسلام نے؛ بلکہ اسلام ہی نے تمہارے تمام حقوق کو کما حقہ ادا کیا ہے، انہیں یقین دلایا جائے کہ اسلام نے ماں ہونے کی صورت میں تمہارے قدموں تلے جنت رکھا ہے، بہن

ہونے کی صورت میں بھائیوں کے بے مثال لاڈو پیار سے نوازا ہے اور بیوی ہونے کی صورت میں تمہیں گھر کی ملکہ بنایا ہے، انہیں یاد دلایا جائے کہ اسلامی تاریخ میں صدیقؓ وفاروقؓ، عثمانؓ وعلیؓ، خالدؓ وابن الوقاص رضی اللہ عنہم وابن زیاد وابن قاسم، ایوبی وزنگی، بوحنیفہ ومالک، جنید وشبلی رحمہم اللہ اور ان جیسے ہزاروں جواہر ریزے تمہاری دَین ہیں؛ لہٰذا وقت کے تند وتیز جھکڑ تمہارے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ پیدا کرنے پائیں اور تمہاری ناموس ووقار کے لٹیروں کی سازشیں ہرگز ہرگز تمہیں اپنے دین سے سرگشتہ نہ کرنے پائیں۔

اسی طرح مسلم معاشرے کے تنور پسند اور تہذیب جدید کو خوش آمدید وآفریں کہنے والوں کی غیرت وحمیت پر تازیانے برسائے جائیں، ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم اتنے دیوث ہوگئے کہ سرِ عام اپنی عزت وناموس کو بیچنے کیلئے تیار ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ مغرب کی عریانیت وفحاشی اسلام کے حصن حصین میں درآئے؟ کیا تم پسند کروگے کہ تمہاری بیٹیاں سرِ بازار اپنے حسن کی نمائش کریں، نائٹ کلبوں، رقص گاہوں اور تھیٹروں میں عریاں ونیم عریاں ہوکر شہوت رانی وہوس پرستی کے خوگروں کیلئے اپنی موسیقی سے لذت گوش، اپنے رقص وناز وادا سے لذت نظر اور اپنے صنفی کمالات (اور درحقیقت حیوانیت) کے ذریعہ لذت جسم بن جائیں؟

ان مائل بہ آوارگی ذہنوں اور مذہب ومذہبیات کے پالے سے اپنے کندھے کو جلد از جلد ہلکا کرنے کو بے تاب افراد کے سامنے تاریخ کی روداد ورق درق کھول کر رکھ دی جائے، انہیں بتایا جائے کہ تہذیب یونان کے آفتاب نیم روز کے گہنانے کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ اہل یونان خدا کی دی ہوئی بے پناہ دولت، سیم وزر کے ذخائر اور وسائل معیشت کی بے پناہ فراوانی کا صحیح اور موزوں طریقہ پر استعمال کرنے کی بجائے عیش وعشرت کے دلدادہ ہوگئے تھے، حسن وعشق کے درمیان پردہ نام کی کوئی چیز نہ تھی، شہوت رانی جنون کی حد تک ان کے دل ودماغ پر چھا چکی تھی بالآخر شورش شباب وکباب اور فتنۂ خم وساغر نے ان کا قصہ ہی پاک کرڈالا اور تاریخ میں وہ فقط افسانہ عبرت بن کر رہ گئے، پھر روم کی بلند اقبالی کا دورِ ہمایوں آیا، ان کی تہذیب کا بھی خوب چرچا رہا، دنیا کے خطے خطے اور گوشے گوشے میں ان کی عظمت کی دھوم مچ رہی تھی؛ مگر انھوں نے بھی وہی غلطی کی کہ کہاں تو عصمت وعفت کو ایک قیمتی شئی سمجھا جاتا تھا اور اسی کو معیار شرافت گردانا جاتا تھا، اخلاق کا معیار کافی بلند تھا؛ مگر اچانک اخلاقیات کے سارے بند ٹوٹ پڑے اور روم میں شہوانیت، عریانیت اور فواحش کا سیلاب بلاخیز پھوٹ پڑا، تھیٹروں میں بے حیائی کے کھلم کھلا مظاہرے ہونے لگے، ننگی

اور فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کیلئے ضروری ہوگئیں، قحبہ گری کے کاروبار کو اتنا فروغ حاصل ہوا کہ قیصر ٹائبریس کو معزز خاندانوں کی عورتوں کو پیشہ ورطوائف بننے سے روکنے کیلئے مستقل قانون پاس کرنا پڑا، رومی لٹریچر میں فحش اور عریاں مضامین بے تکلف پڑھے جاتے تھے؛ بلکہ وہی ادب مقبول عام ہوتا تھا جس میں استعارے کنائے کا بھی کوئی گذر نہ ہو، بہیمی خواہشات سے اس قدر مغلوب ہوجانے کے بعد تہذیب روم کا قصر عظمت ایسا پیوند خاک ہوا کہ پھر اس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکی۔

مسلم معاشرہ کے عقل باختہ اور فریب خوردہ افراد کو مغربی تہذیب اور اس کے لائے ہوئے گناہوں کے سیلاب کے بارے میں کھول کھول کر بیان کیا جائے انہیں بتایا جائے کہ فرماں روایان مغرب کا نعرۂ مساوات مردوزن، ان کے معاشی استقلال کی صدائے بازگشت اور مردوعورت کے آزادانہ اختلاط کے اس پروپیگنڈے کے پس منظر میں کیا ہے، وہ دراصل بھانپ چکے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین، ان کے نبی ﷺ اور ان کے قرآن سے برگشتہ کرنے کیلئے ظلم وعدوان کی ہر تدبیر ناکارہ ہوتی جارہی ہے، لالچ اور حرص وطمع دے کر بھی ہم انھیں شیشے میں نہ اتار سکے؛ اس لیے انھوں نے ایسے پرفریب نعرے دیے کہ بہ ظاہر ہر سننے والا اس کو اپنے دل کی آواز سمجھ بیٹھے اور باور کرلے کہ واقعتاً عورت کی صنف اب تک دبی کچلی تھی اور تہذیب غرب کے علمبرداروں کی ان کے حقوق کی بازیابی کی کوششوں کو سراہنا چاہیے؛ بلکہ ان کے قدم سے قدم ملا کر تعاون باہمی کا مکمل ثبوت دینا چاہیے؛ حالانکہ مغرب کی پالیسی وہ بالکل نہیں جو وہ ظاہر کرتے ہیں؛ بلکہ وہ فطرت کے مقیاس بدل دینے کے خواہاں ہیں، مساوات کے نام پر عورتوں کو ان کی سکت سے زیادہ مکلّف بنانے کی خطرناک سازش ہے اور سب سے زیادہ ان کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان عورتوں پر نشانہ سادھا جائے، ان کے نقاب کو الٹ دیا جائے اور ان کو کوچہ وبازار، رقص گاہ، سرکاری دفاتر اور ہر پبلک مقام پر کھینچ کر لایا جائے اور عورت ومرد کے آزادانہ اختلاط کا اندوہ ناک نتیجہ یہ ہے کہ عورتوں میں حسن کی نمائش، عریانی اور فواحش کو غیر معمولی ترقی ملی ہے، صنفی میلان جو پہلے ہی سے مردوعورت کے درمیان موجود ہے طاقت ور ہوتا جارہا ہے، پھر اس قسم کے صنفی اختلاط کی سوسائٹی میں دونوں صنفوں کے اندر یہ جذبہ ابھر آتا ہے کہ صنف مقابل کیلئے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنیں اور جبکہ اخلاقی نظریات کی رو سے ایسا کرنا باعث ننگ وعار بھی نہ ہو؛ بلکہ شان دلربائی کو مستحسن سمجھ لیا گیا ہو تو حسن وجمال کی نمائش اپنی تمام حدوں کو توڑتی چلی جاتی ہے یہاں تک

کہ برہنگی کی آخری حد تک پہنچ کر ہی دم لیتی ہے۔ یہی کیفیت اس وقت مغربی تہذیب میں پیدا ہوچکی ہے صنف مقابل کیلئے مقناطیس بننے کی خواہش عورت میں اتنی بڑھ گئی ہے (اور کسی لمحہ رکنے کا نام نہیں لیتی) کہ شوخ وشنگ لباسوں، غازوں کی تہوں، سرخیوں اور بناؤ سنگار کے نت نئے سامانوں کے استعمال کے باوجود اس کی شہوت نمائش حسن کو قطعی تسکین نہیں ملتی؛ چنانچہ وہ تنگ آکر کپڑوں سے باہر نکل پڑتی ہے، یہاں تک کہ بسا اوقات بدن پر تار تک نہیں رہنے دیتی، ادھر مردوں کی طرف سے ''ھَل مِن مَزید'' کی مسلسل صدا ہے؛ کیوں کہ جذبات میں جو آگ لگی ہے وہ بے حجابی کے ہر منظر پر سرد نہیں ہوتی؛ بلکہ اس میں اور شعلگی آجاتی ہے اور مزید بے حجابی کا مطالبہ کرتی ہے۔ ان غریبوں کی پیاس بڑھتے بڑھتے ایسی حالت ہوچکی ہے، جیسے کسی کو استسقاء کا مرض ہو اور پانی کے ہر گھونٹ کے حلق سے نیچے اترنے پر اس کی پیاس مزید بڑھتی جاتی ہو، حد سے بڑھی ہوئی شہوانیت کی تسکین کیلئے وہ ہر ممکن طریقہ استعمال کرتے ہیں؛ چنانچہ یہ ننگی تصویریں، یہ فحش لٹریچرس، یہ عشق ومحبت کے افسانے یہ عریاں اور جڑواں ناچ کے حیا سوز مناظر اور یہ جذبات شہوانی سے بھری ہوئی فلمیں آخر کیا ہیں؟ سب اسی آگ کو بجھانے (اور دراصل بھڑکانے) کے سامان ہیں، جو اس غلط معاشرت نے سینوں میں لگا رکھی ہے، اور اس بے حیائی وعریانیت کا نام انھوں نے آرٹ، ثقافت اور فنون لطیفہ رکھا ہے۔

مغرب کی اس فحاشیت سے خود اس معاشرے میں جنم لینے والی بیٹیاں تنگ آچکی ہیں، جو ان میں تعلیم یافتہ اور باشعور ہیں، وہ اسلام کے غیر جانبدارانہ مطالعہ کے بعد بصد شوق ورغبت اسلام کی آغوش میں پناہ گزیں ہورہی ہیں، اور ایسی خواتین کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، مغرب کی تہذیب کی بنیادوں کو گھن لگ چکا ہے اور اس کی عظمت وسطوت کا بلند وبالا محل زمین دوز ہوا ہی چاہتا ہے۔

اب ایک بار پھر ان مغرب زدہ مشرقیوں سے پوچھا جائے کہ کیا تم اسی تہذیب کے حامی بننا چاہتے ہو جس کے دن گنے جاچکے ہیں؟ جس کی گود میں پلنے والے افراد ہی اس سے دامن چھڑانے کو بے تاب ہیں، جس کی دَین کہ انسان جسے اللہ نے مکرم بنایا تھا وہ ذلت ورسوائی کی تمام حدوں سے گذر چکا ہے۔ تہذیب جدید کے ان ہلاکت خیز نتائج کے سامنے آجانے کے باوجود اگر تمھیں عقل نہ آئی، تم نے اپنے خاندان اور معاشرے میں اسلامی حجاب کو رواجِ عام نہ دیا، تو اس دن کیلئے تیار رہنا، جب تمہاری ''فراخ دلی'' کشادہ ظرفی'' اور ''ماڈرنیسٹ'' بننے کے شوقِ بے پناہ کی بھینٹ خود تمہاری بیٹی چڑھ جائے اور تمھیں اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس روئے زمین پر ذلت ورسوائی کے سیاہ ترین دھبے کو دھونے کیلئے کوئی جگہ میسر نہ ہو۔ ❍❖❍

اردو اکادمی پٹنہ میں جمعیۃ علماء بہار کی مشاورتی نشست

مہمان خصوصی کی حیثیت سے حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب کی بھی شرکت

(مورخہ ۲۵/نومبر) مسلمان صرف اپنے معاملات سے کام رکھیں اور تعلیم پر توجہ دیں، آگے پیچھے، دائیں، بائیں کچھ نہ دیکھیں، آج جتنے تعلیم یافتہ ہیں، آج سے پہلے کبھی نہیں تھے، لیکن اچھی کوالیٹی کی ضرورت آج بھی بہت زیادہ ہے۔ اردو اکادمی اشوک راج پتھ پٹنہ میں جمعیۃ علماء بہار کی مشاورتی اور ہنگامی نشست سے خطاب کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی جناب مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب نے یہ باتیں کہیں، انہوں نے کہا: نظریہ اور پالیسی کے اعتبار سے سب سے طویل پالیسی اور سب سے زیادہ کام بھی جمعیۃ علماء ہند کا ہی ہے، ہاں مگر بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں ہے، ہمارا کام کام کرنا ہے اس لئے کام کرنے پر توجہ دیتے ہیں، کام پہنچانے پر نہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے کہا: مسلمان بڑی چیز نہیں، اسلام بڑی چیز ہے، ہم مسلمانوں کیلئے نہیں، اسلام کیلئے ہیں، تحفظ اسلام ہماری بنیاد ہے، اسلام طاقوں میں سجانے کیلئے نہیں، بلکہ ہمارے سینوں میں رہے، ہمارے عقیدے اور عمل میں رہے، تین طلاق کے حوالہ سے کہا: عدالت سے ہمارے خلاف فیصلہ آگیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کس نے کہہ دیا کہ ایک بار میں تین طلاق دو، اگر یہ غلط ہے تو پھر ایسا کیوں کرتے ہیں، ہمارا کام ہے کہ ہم عوام کو سمجھائیں اور اصل طریقہ سے واقف کرائیں۔ مخلوط تعلیم پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا: مخلوط تعلیم کی وجہ سے بچے اور بچیاں بہک رہی ہیں، دوسروں کو تو بہت زیادہ فکر ہے، اس لئے انہوں نے ''لو جہاد'' کا نام دیا، مگر ہم بے فکر ہیں، اور ابھی تو بے توجہی ہے، اگر یہی حال رہا تو بعد میں بیزاری کی شکل بھی آنے والی ہے۔ اچھے اور برے دنوں پر گفتگو کرتے ہوئے کہا: اچھے دنوں کے نام پر برے دن آگئے، ڈھائی کروڑ سے زیادہ بے روزگار ہو گئے، جو مڈل کلاس کے لوگ ہیں وہ ملک سے باہر جا رہے ہیں، بے روزگاری کے بڑھنے کا مزید خطرہ بڑھ گیا ہے۔ ریاست بہار کے تمام اضلاع سے آئے ہوئے ضلعی صدور و نظماء اور مندوبین کو توجہ دلاتے ہوئے کہا: ہمیں دو کام کرنا ہے ایک تو نیت درست کریں، اور دوسرے جہد مسلسل کے ساتھ کام کرتے رہیں۔ واضح رہے کہ ۹ ربجے صبح اردو اکادمی پٹنہ میں جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب کی صدارت میں جمعیۃ علماء بہار کے اراکین مجلس عاملہ، ضلعی صدور و نظماء اور مدعوئین خصوصی کی مشاورتی نشست کا انعقاد ہوا، قاری مسلم ایاز صاحب نے قرآن کریم کی تلاوت سے پروگرام کا آغاز فرمایا، محمد تنظیم عالم کٹیہاری نے نعت پاک پیش کیا، جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی جناب مولانا سید محمود اسعد مدنی، جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھ ساتھ، جمعیۃ علماء ہند کے سکریٹری جناب مولانا حکیم الدین قاسمی، جمعیۃ علماء بہار کے نائب صدر مفتی جاوید اقبال، دیگر نائبین صدور، ضلعی صدور و نظماء، اراکین مجلس عاملہ، اور شہر پٹنہ کے معزز حضرات میڈیا اور اخبارات کے مدیران شریک ہوئے۔ **(بقیہ صفحہ ۵۸) پر ملاحظہ فرمائیں!**